وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تہذیب و تمدن

میاں محمد جمیل ایم۔اے

فاضل اردو، علوم اسلامیہ

ناظم ابوہریرۃ اکیڈمی لاہور پاکستان

297.9921
م 28 ماپ
71828

ابوہریرۃ اکیڈمی

۳۷۔ کریم بلاک، اقبال ٹاؤن۔ لاہور

آپ ﷺ کا تہذیب و تمدن

میاں محمد جمیل ایم-اے
فاضل اردو، علوم اسلامیہ
ناظم ابوہریرہ اکیڈمی لاہور پاکستان

ابوہریرہ اکیڈمی
۳۷-کریم بلاک، اقبال ٹاؤن - لاہور

۲۹۷۰۹۹۳۱
۳۸۳ ب
۷۱۸۲۸

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تہذیب و تمدن

از ـــــــــــــــــــ میاں محمد جمیل

پہلا ایڈیشن ـــــــــــ دسمبر 2000ء رمضان المبارک

تعداد ـــــــــــــــــــ 1100

قیمت ـــــــــــــــــــ -/60

ناشر ـــــــــــــــــــ ابو ہریرہؓ اکیڈمی

اظہار تشکر

اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش کے بعد میں شیخ الحدیث حافظ ذوالفقار جنہوں نے حوالہ جات کی تخریج اور اپنے عزیز طلبہ حافظ عتیق اللہ عمر، حافظ محمد اکرام طاہر حافظ عبدالرحمن اثری کا شکر گزار اور دعا گو ہوں کہ جنہوں نے اس کتاب کی کمپوزنگ اور پرنٹنگ میں بھرپور تعاون کیا۔

جزاھم اللہ احسن الجزاء

حقوق بحق اکیڈمی

انداز ترتیب

تحریر کا مقصد	7
جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	8
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرفِ اعظم	10
والہانہ وارفتگی	13
سعادتِ دوجہاں کی گارنٹی	16
استراحت وآغازِ صبح	18
شب پاشی اوراذکار	18
خواب کی حقیقت	21
شب زندہ داری کے روحانی، جسمانی فوائدوثمرات	21
تہجد کی رکعات	24
طہارت ونظافت	26
چمکدار دانت	29
بالوں کا سنوار	31
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ گھروں کے آنگن صاف رکھئے	32
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملبوسات	34
ملبوسات کے رنگ وڈیزائن	36
عمدہ اور قیمتی لباس مگر سادگی	38
خوردونوش کے آداب	41
کھانے کا طریقہ	42

آپ ﷺ کی پسندیدہ غذائیں اور مشروبات	43
حفظانِ صحت کے اصول	47
بیماری کی وجوہات واسباب	48
علاج اور پرہیز آپ ﷺ کی نظر میں	50
نیم حکیم سے بچنے کا حکم	52
آپ ﷺ کا تجربہ کار حکیم سے علاج کروانے کا مشورہ	52
صحت کیلئے آپ ﷺ کی دعائیں	52
گھر کے آنگن میں آپ ﷺ کے اوقات	53
اہل خانہ کی ذمہ داریاں	56
انداز تجارت اور مزدور کا تحفظ	58
انبیاء کرام سیلف میڈ ہوا کرتے تھے	58
ملاوٹ کرنا قتل اور امت سے خارج ہونے کے مترادف ہے	59
مسجد سکون واطمینان کا زینہ اور اللہ کی رحمتوں کا مرکز	63
فرقہ واریت کا مرکز مسجدیں	65
مسجد کے معاشرتی اور سماجی نتائج وثمرات	67
ذکر وفکر کا بہترین انداز	68
دنیاوآخرت کے فوائد	70
اللہ کی دستگیری اور قلب ونظر کا سکون	70
ذکر نہ کرنے کے نقصانات	71
اللہ کے حضور معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیجئے	73

توبہ کو بوجھ بنادینے والے علماء سے بچئے 75

مجلس کے اثرات و ثمرات 77

مجلس کے آداب اور آپ ﷺ کا استقبالیہ انداز 81

دوسرے کے لئے کشادگی پیدا کرنا وسعت ظرفی کی علامت ہے 82

اسقبالیہ قیام کی اجازت 83

حسن اخلاق کا مطلب کردار اور گفتار کا نکھار 85

خواتین کا انداز گفتگو کیسا ہونا چاہئیے 89

غیرت اور غصہ انسان کی عزت کا محافظ 90

آپ ﷺ کا اندازِ تکلم 92

باہمی ملاقات کا اسلوب کیا ہونا چاہئے ؟ 95

مسلم معاشرے کو رعونت اور غرور سے بچانے کے اصول 98

والدین کے علاوہ کسی کے سامنے جھکنا جائز نہیں 99

سفر کے ضابطے 100

آپ ﷺ کی رفعتیں افلاک سے بالا مگر عجز وانکساری کی انتہا 105

اللہ کے حضور سر فگندہ اور اس کے بندوں کے ساتھ عجز وانکساری اختیار کیجئے 107

دکھی انسانیت سے اظہارِ ہمدردی 111

آپ ﷺ تیماردار کی حیثیت سے 113

حضرت عمرؓ نے بے ساختہ فرمایا کہ یہ کیسے گوارا ہو سکتا ہے۔۔۔؟ 115

جانوروں کے ساتھ ہمدردی نظامِ حکومت کا حصہ 116

انسانیت کی فلاح و بہبود 117

	صفحہ نمبر
نبوت سے قبل رفاہ عامہ کیلئے خدمات	118
مستشرق "سدیو" کا زبردست خراج تحسین :	119
عوام کی اخلاقی حالت تبدیل کرنا حکمرانوں کا فرض	121
دولت عثمانیہ کا قانونی خلیفہ	128
خوشی اور شادمانی کے پیامبر	129
آپ ﷺ کی خوش طبعی اور ساتھیوں کی خوشی میں شرکت کا انداز	132
آپ ﷺ کی اہل خانہ سے خوش طبعی	132
عجب مزاج کا صحابی	134
آپ ﷺ کے دل نازک پر وارد ہونے والے صدمات	136
والدہ کی قبر پر سسکیاں	137
بیٹے ابراہیم اور نواسے علی کی موت پر رونا	138
اطاعت شعار زوجہ اور ساتھیوں کی موت پر آپ ﷺ کا اظہار غم	140
صدمات زندگی کا حصہ ہیں، حوصلے کے ساتھ برداشت کیجئے	142
آپ ﷺ کا سفر واپسیں	143
سفر آخرت کا آغاز	144
وفات سے پانچ دن قبل	145
چار دن پہلے	146
حیات مبارکہ کا آخری دن	147
دم واپسیں کا وقت، وصیتیں اور دعائیں	148
مصنف کا تعارف	150

تحریر کا مقصد

فرد اور اقوام کے رہن سہن، عادات و خصائل حتیٰ کہ کھانے پینے کے آداب کو بھی تہذیب و تمدن اور ثقافت و کلچر میں شمار کیا گیا ہے۔

ہر معاشرے اور اقوام کی عادات واطوار ، بودوباش اور کھانے پینے کے انداز ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں۔ تہذیب و تمدن انسانوں کی عزت و عظمت کا معیار ہی نہیں بلکہ افراد کو یکجا اور متحد رکھنے میں اس کا بڑا دخل ہے جس طرح نظریات آدمی کو ایک دوسرے کے قریب اور دور کرتے ہیں یہی قوت تہذیب و تمدن میں کار فرما ہے۔ اسی لئے آپؐ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا۔

مَن تَشَبَّهَ بِقَومٍ فَهُوَ مِنهُم۔

جس نے اپنی تہذیب کو چھوڑ کر کسی دوسری قوم کے تہذیب و تمدن کو اپنایا وہ انہیں میں سے سمجھا جائے گا۔

لہٰذا ضروری تھا کہ امت کے تہذیب و تمدن کو نمایاں اور مسلم امہ کو ممتاز رکھنے کے لئے اس کو ایسی فکری یکسوئی اور حسن عمل سے آراستہ کیا جاتا جس کی کوئی نظیر پیش نہ کر سکے تاکہ امت اس قوت کے ساتھ اقوام عالم کی رہنمائی کا فریضہ سر انجام اور آخرت میں کامیابی کا اعزاز پا جائے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوْااللّٰهَ وَالْيَوْمِ الآخِرِ۔(الاحزاب21)

بلاشبہ اللہ کے رسولؐ تمہارے لئے بہترین نمونہ ہیں خاص کر اس شخص کے لئے جو اللہ اور آخرت کے دن کا خیال رکھنے والا ہے۔

جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک منظر

عرب فصاحت وبلاغت کے بادشاہ۔ بچپن تادم واپسیں آپؐ سے آشنا۔ مگر جمال مصطفیٰ کے سامنے شاعر بے نوا ثابت ہوئے۔ قیافہ شناسی اور بلا کا حافظہ رکھنے کے باوجود آپؐ کا حسن وجمال کسی ایک کے احاطہ ء خیالات میں نہ آسکا۔ ایک ناک کی خوبصورتی میں کھو گیا۔ جبکہ دوسرا پیشانی مبارک کو دیکھتا رہ گیا۔ کوئی پرانوار چہرے سے آنکھیں نہ ہٹا سکا اور کسی کے دیدے گیسوئے تابدار دیکھتے رہ گئے۔ گویا کہ ہر دیکھنے والا ماہ تاباں کی ضوفشانیوں کی تاب نہ لا کر ساقط وجامد آنکھیں جھکائے کھڑا ہے۔ اس لئے آپؐ کے حسن وجمال کا تصور دوچار نہیں درجنوں صحابہ کرامؓ کے بیان کرنے سے ایک جھلک کے طور پر ملتا ہے۔ جس سے روح کو سرور اور قلب ونظر کو لذت وکیف حاصل ہوتا ہے اس لئے ذولبجادینؓ نے کہا تھا

وَاللّٰہِ نَظرَۃٌ مِنْ مُحَمَّدٍ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الدُّنیَا وَمَافِیھَا۔

کائنات کے رب کی قسم! آپؐ کا ایک لمحے کا دیدار دنیا ومافیھا کے خزانوں سے بہتر ہے۔

آئیں! نور ایمان کی جلوہ گاہ میں قلب ووجدان کی آنکھوں سے آپؐ کے چہرہ گرامی کی زیارت سے باریاب ہونے کی سعادت حاصل کریں۔

☆ کھلا ہوا روشن اور تابناک چہرہ ☆ چاند نما مگر پُر جلال پیشانی ☆ نکھری ہوئی سرخ وسفید رنگت ☆ موٹی سرمگیں اور باحیا آنکھیں ☆ طوالت آمیز پلکیں ☆ باریک باہم ملے ہوئے تابدار ابرو ☆ پتلی مگر چہرے کے جمال وکمال کو دوبالا کر دینے والی ناک ☆ پتلے مردانہ ہونٹ، گفتار میں وقار، سکوت میں تدبر ☆ موتیوں جیسے چمکدار دانت، مسکرائیں تو نور کی شعاعوں کا جلوہ

☆ خاموش ہوں تو رعب اور جلال کا منظر ☆ ابھری ہوئی گول شجاعت کی ترجمان گردن ☆ کشادہ اور انوار و تجلیات سے بھرپور سینہ ☆ کھلے ہوئے پُر لحم شانے ☆ درمیانہ مگر ابھرتا ہوا سر و قامت سراپا ☆ کلاہ افتخار میں اضافہ کردینے والا سر ☆ سیاہ و چمکدار گیسو۔

آپؐ کا چہرہ خوبصورت اخلاق بلند و بالا (حضرت براء۔ مسلم)

آپؐ سرخ جوڑے میں ملبوس، چودھویں رات کے چاند سے زیادہ خوبصورت (جابر بن سمرہؓ۔ شمائل ترمذی)

گرمیوں میں آپؐ کے پسینے کی خوشبو بعد میں گذرنے والے کے دل و دماغ کو معطر کردیتی تھی۔ (حضرت جابرؓ۔ دارمی)

رنگ چمکدار، ہتھیلیاں کشادہ، وفات کے وقت کنپٹی اور داڑھی مبارک کے چند بال سفید (حضرت انسؓ۔ مسلم)

شاعر رسالت حضرت حسانؓ

وَاَحسَنَ مِنكَ لَم تَرَ قَطُّ عَينِی

وَاَجمَلَ مِنكَ لَم تَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقتَ مُبَرَّأً مِن كُلِّ عَيبٍ

كَاَنَّكَ خُلِقتَ كَمَا تَشَاءُ

میری آنکھ نے آپؐ سے زیادہ کوئی خوبصورت نہیں دیکھا اور کسی ماں نے آپؐ سے زیادہ حسین و جمیل بچے کو جنم نہیں دیا۔ آپؐ ظاہری اور باطنی نقائص سے پاک پیدا کئے گئے گویا کہ خالق کائنات نے آپؐ کو آپؐ کی تمنا کے مطابق پیدا کیا ہے۔

آپ ﷺ کا شرفِ اعظم

دنیا میں فقط ایک ہی انسان اعظم ہیں جن کی ہر ادا اور انداز کو انسانیت کا آئینہ اور تہذیب و تمدن کا بہترین نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ خوشی، غمی، جلوت، خلوت، پبلک زندگی ہو یا پرائیویٹ۔ ہر لمحہ اور ہر وقت آپ کی ذات مقدسہ دنیا کے باسیوں کے لئے بہترین نمونہ اور معیار قرار پائی۔ اللہ کے آخری کلام میں اس معیار حیات کو ان الفاظ کے ساتھ میزان عمل قرار دیا گیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ۔(الاحزاب21)

بلاشبہ اللہ کے رسولؐ تمہارے لئے بہترین نمونہ ہیں خاص کر اس شخص کے لئے جو اللہ اور آخرت کے دن کا خیال رکھنے والا ہے۔

آپؐ کی حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ دنیا اور آخرت کی کامیابی کی ضمانت فراہم کرتا ہے اس لئے آپؐ کے رفقائے کرام آپؐ کی چھوٹی اور بڑی بات کو یکساں حیثیت سے دیکھتے اور اختیار کرتے تھے ان کو یہ تقسیم ہرگز گوارا نہ تھی کہ آپؐ کی حیات پاک کو اس طرح دیکھا جائے کہ یہ اہم پہلو ہے یا عام! وہ تو آپ کی محبت اور اسوہ گرامی کو کامل والہانہ جذبے کے ساتھ ہی اپنایا کرتے تھے۔ آج کا مسلمان آپؐ سے محبت و الفت کے ہزار دعووں کے باوجود جن امور کو چھوٹے بڑے کی تقسیم اور دوسروں سے مرعوب ہو کر چھوڑ بیٹھا ہے آپؐ کے جلیل القدر ساتھی آپکے ہر عمل کو احترام و اکرام اور اطاعت واتباع کے دائرہ میں لازم سمجھتے تھے۔ چنانچہ اس وقت کی دنیا کے سب سے بڑی مملکت کے ایرانی فرمانروا سے مذاکرات کے دوران حضرت حذیفہ بن یمانؓ ایک دستر خوان پہ بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے کہ ان کے ہاتھ سے کھانے کا ایک ذرہ دستر خوان پہ گر پڑا

جب وہ اس کو اٹھا کر کھانے لگے تو ساتھی نے اشارہ کیا کہ ایسا نہ کیجئے کیونکہ یہ ان کی تہذیب کے میعار پر نہیں اترتا حضرت حذیفہؓ بھر پور اعتماد کے ساتھ فرمانے لگے کہ میں ان احمقوں کی وجہ سے آپؐ کے کلچر اور تہذیب کو نہیں چھوڑ سکتا مجھے ہر حال آپؐ کے طریقے کو اختیار کرنا ہے۔

اَاَترُکُ سُنَّۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لِھٰؤُلَاءِ السُّفَھَآءِ۔(ابن شیبہ)

کیا میں ان بے وقوفوں کیلئے آپؐ کے کلچر کو چھوڑ دوں۔

اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضرت عثمان ذوالنورینؓ مکے میں مسلمانوں کی نمائندگی کر رہے تھے جب وہ اپنے چچا زاد بھائی سعید بن ابانؓ کے گھر ٹھہرے اور صبح لباس تبدیل کرتے ہوئے انہوں نے تہبند کو ٹخنوں سے اوپر رکھا تو ان کے چچازاد نے ازراہ ہمدردی یہ مشورہ دیا کہ میرے عم زاد آپ کی قوم کا یہ کلچر نہیں ہے یہاں کے لوگ ٹخنوں سے اوپر تہبند رکھنے والے کو حقیر سمجھتے ہیں۔ تو حضرت عثمانؓ نے یہ کہہ کر اپنے تہذیب و تمدن کی ترجمانی کی۔

ھٰکَذَا اِزَارُ رَسُوْلِ اللّٰہِؐ۔(ابن شیبہ)

میرے آقائے گرامیؐ ٹخنوں کے اوپر تہبند باندھا کرتے ہیں۔

آج امت مسلمہ کی حالت یہ ہے کہ عوام الناس اسلامی اقدار کو بوجھ تصور کرتے ہوئے اسلام سے دور ہوتے جارہے ہیں۔ جبکہ دین دار طبقہ اجر و ثواب کی ترغیب اور اپنے ذاتی اور گروہی مفادات اور امتیازات کی خاطر سینکڑوں باتیں نبی پاکؐ کے حوالے سے دین میں شامل کر کے عبادات سے لیکر معاملات کو بوجھل بنائے جارہے ہیں۔ حالانکہ آپؐ کے رفقائے گرامی اس بات کو نہایت ہی ناپسند گردانتے تھے کہ جو بات یا مسئلہ آپؐ سے ثابت نہیں اسے اجر و ثواب سمجھ کر اختیار کیا جائے۔ کیونکہ آپؐ کا ارشاد ہے۔

مَنْ اَحدَثَ فِی اَمرِنَا هٰذَا مَالَیسَ مِنهُ فَهُوَ رَدٌّ۔(متفق علیه)

جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ ناقابل قبول ہوگی۔

کیونکہ اس طرح آسان دین مشکل ترین شکل اختیار کر جائے گا اسی وجہ سے امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے ایک شخص کو نماز عید سے قبل عید گاہ میں نفل ادا کرتے دیکھا تو فرمایا کہ اللہ کے ہاں اس بات کی پکڑ ہوگی تو اس نے کہا کہ نماز پڑھنے پر مجھے عذاب ہوگا؟ جناب علیؓ نے فرمایا کہ نماز کی وجہ سے نہیں سنت کے بر خلاف کرنے پر۔ کیونکہ عید گاہ میں عید سے پہلے آپؐ سے نفل پڑھنے ثابت نہیں۔(البدایه والنهایه)

یہی وہ معیار زندگی ہے جس کے بارے میں قرآن اس طرح احکامات جاری کرتا ہے۔

لَا تُقَدِّمُوْا بَینَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوْااللّٰهَ۔

اور تم اللہ اور اس کے رسول سے آگے مت بڑھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاکُم عَنهُ فَانتَهُوْاوَاتَّقُوااللّٰهَ

اور جو تمہیں رسولؐ عطا کریں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

☆☆☆

والہانہ وار فتگی

جس طرح گلاب کی رنگت وخوشبو دیکھنے اور سننے والے کا دل بہلاتی ہے جیسے پروانہ روشنی کو دیکھ کر اپنے وجود پر قابو نہیں پاتا۔ہاں! جس طرح پر فیوم غیر محسوس انداز میں دل ودماغ پر گرفت کرتی چلی جاتی ہے اس سے ہزار گنا بڑھ کر آپؐ کی ذات اور بات کے ساتھ صحابہؓ کا تعلق خاطر اور اطاعت کا رشتہ قائم تھا۔ کیونکہ آپؐ کے وجود پاک اور گفتار وکردار میں ایسا جذب واتصال اور جمال وکمال تھا کہ آپؐ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے مدت بعد بھی جب کسی آپؐ کے رفیق کار سے استفسار ہوتا کہ آپؐ کی زندگی کے فلاں زاویئے کا کیا انداز تھا؟ تو صحابیؓ کے دل میں متلاطم جذبات محبت اس طرح پھوٹ پڑتے کہ وہ والہانہ محبت وعقیدت کے ساتھ اس واقعے کو جذباتی کیفیات اور جزیائی تفصیلات سے بیان کئے بغیر نہ رہ سکتا۔

حضرت عبدؓ نے اپنے والد گرامی سے سوال کیا آپ نے نبی محترمؐ کی زیارت کی ہے تو جناب اقرمؓ بڑی والہانہ وار فتگی کے ساتھ چشم دید واقعہ کی جزیات بیان کرتے چلے گئے ان کا کہنا ہے کہ میں اپنے والد کے ساتھ عزا کے مقام پر کھیتی باڑی میں مصروف تھا۔اچانک ہم دیکھتے ہیں کچھ دور ایک قافلہ پڑاؤ ڈال رہا ہے تھوڑی دیر کے بعد قافلے کے لوگ نماز ادا کرنے لگے میں اور میرے والد محترم اس قافلے کی طرف لپکے تو اچانک کیا دیکھتے ہیں سرور دوعالم امامت کروا رہے ہیں۔آپؐ نے احرام باندھا ہوا تھا جسکی وجہ سے سجدہ کی حالت میں، میں نے آپؐ کی بغلوں کے قریب بازوؤں کی سفیدی دیکھی اس منظر کو میں اب بھی اس طرح ہی اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہوں۔(طبقات ابن سعد)

آپ کے عظیم ترین ساتھی خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ آپؐ کی وفات کے بعد جب آپ کا ذکر گرامی کرتے تو ان کی حالت غیر ہو جایا کرتی تھی۔ایک دفعہ منبر

رسولؐ پر کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو اچانک ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے میں نے پچھلے سال رسول معظمؐ سے یہ الفاظ سنے تھے۔ یہ الفاظ پوری طرح ادا نہیں کر پائے تھے کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں کیونکہ صحابہ کرامؓ آپؐ کے ساتھ ایسی ہی محبت رکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ کو جب مکہ سے دیس نکالا دیا گیا تو وہ مسجد نبوی میں قائم دنیا کی پہلی جامعہ میں شاملِ تعلیم ہوئے۔ اس حالت میں کہ انہوں نے دو ٹاٹ لپیٹے ہوئے تھے انکے ایک پرانے آشنا نے سوال کیا کہ بھائی عبداللہؓ میں نے مکہ میں آپؐ کو دیکھا ہے کہ آپؐ صبح و شام لباس بدلا کرتے تھے بتایئے کہ زندگی کا وہ دور بہتر تھا یا یہ فقیرانہ حالت۔ انہوں نے جذبات محبت میں آکر وہ الفاظ ادا کئے جنکی قیمت دنیا و جہاں کے خزانوں سے ادا نہیں ہو سکتی۔

وَاللّٰهِ نَظرَةٌ مِنْ مُحَمَّدٍ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الدُّنیَا وَمَافِیهَا۔

کائنات کے رب کی قسم! آپؐ کا ایک لمحے کا دید دنیا و مافیھا کے خزانوں سے بہتر ہے۔

قرآن و حدیث میں آپؐ کے ساتھ ایسی ہی الفت و عقیدت کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَاؤُکُمْ وَاَبنَاؤُکُمْ وَاِخوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیرَتُکُمْ وَاَموَالُ اقتَرَفتُمُوهَاوَتِجَارَةٌ تَخشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَیکُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمرِهٖ وَاللّٰهُ لَا یَهدِی القَوْمَ الفٰسِقِینَ0

اے نبیؐ لوگوں کو فرما دیجئے! اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، رشتے دار، مال جو تم نے کمایا، تجارت جس کے نقصان کا تمہیں خدشہ ہے اور تمہارے خوشنما گھر تمہیں اللہ، اس کے رسولؐ اور اس کے رستے میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے

ہیں تو اللہ کے عذاب کا انتظار کرو اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ھدایت نہیں دیا کرتے۔

اور آپ کا ارشاد گرامی ہے

وَالَّذِی نَفسِی بِیَدِہٖ لَایُؤمِنُ اَحَدُکُم حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلیہ مِن وَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجمَعِینَ۔

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک مجھے اپنے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے عزیز نہ جانو گے۔

☆☆☆

سعادتِ دو جہاں کی گارنٹی

نبی اکرمؐ کی ذات گرامی اور آپ کے انداز زندگی کو دنیا اور آخرت کا جمال و کمال اس دنیا و جہاں میں فوائد و ثمرات اور آخرت میں دائمی نعمتوں کا بدل قرار دیتے ہوئے خالق و مخلوق میں قربتوں اور محبتوں کا مظہر قرار دیا گیا۔ ایک طرف آخرت کی کامیابی کی گارنٹی اور اس عمل کے دوسرے سرے کے ساتھ دنیا کی فلاح و بہبود منسلک کر دی گئی۔ اس رشتہ اطاعت کو حبل اللہ کی مضبوط رسی کے ساتھ باندھ دیا گیا ہے کیونکہ اس راہ پر چلنے والے اللہ کے کرم و فضل کے حقدار اور اس کی عطاؤں کے سزاوار بن جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے لامحدود فضل و کرم کا ثمرہ ہے کہ مرد مومن کو دنیا کی بہتری کے ساتھ آخرت کے سنوار کا عطیہ بخشا گیا ہے انسان اگر غور و فکر کے دریچوں میں جھانک کر اپنے افکار و کردار کا جائزہ لے تو وہ اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ جو کام کرنے میں وہ اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہے اگر وہ اپنی فکر کو رضائے الٰہی کے پیمانے کے مطابق اور عمل کو نبی اکرمؐ کی اتباع کے ترازو کے موافق کر لے تو اس کی دنیا بہتر اور جہان لامتناہی بہترین شکل و صورت میں اس کا منتظر ہو گا۔ ان حقائق سے آگہی کیلئے غور کیجئے کہ آرام کرنا ہر انسان کی جبلی حاجت ہے۔ نیند کے بغیر آدمی کی آنکھیں پھٹ جائیں اور جسم اکڑ کر رہ جائے گویا کہ آرام کرنا ہر کسی کی فطرت کا تقاضا ہے ایک سرا میں کئی مسافر سو رہے ہیں لیکن بندہ مومن عشاء کی نماز پڑھ کر اس نیت و نظریئے کے ساتھ بستر پر لیٹتا ہے کہ سویرے اٹھ کر نمازِ صبح ادا کی جائے گی پھر نیند کی آغوش میں جانے سے پہلے وہ آقاؐ کی سنت مبارکہ کو سامنے رکھ کر کچھ دعائیں اور اذکار کرتے ہوئے دائیں کروٹ لیٹ جاتا ہے یہ مسلمان بھی نیند کے مزے لے رہا ہے اور اس کے قریب لیٹا ہوا خدا کا نافرمان بھی خراٹے مار رہا ہے مگر اس کے سونے میں زمین و آسمان کا

تفاوت پایا جاتا ہے۔ اسکے بارے میں سرورِ دوعالمؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر ایک روح قدسی کو مقرر فرماتے ہیں کہ جب تک یہ میرا بندہ سویا رہے گا پورے اہتمام کے ساتھ اس کے سانس کی آمد و رفت اور اسکی کروٹوں کو نیکی اور سعادت مندی میں شمار کرتے چلے جاؤ۔ اسی طرح ہی لباس کی تبدیلی اور غسل کرنا ہر آدمی کی مجبوری اور ضرورت ہے مگر نبی اکرمؐ کے انداز زندگی کو اپنانے والا غسل کرنے کا وہی انداز اختیار کرے گا جو آپؐ کی ذات مقدسہ نے اختیار فرمایا جبکہ دوسری طرف اس مقدس تہذیب سے بے خبر شخص بہترین صابن، قیمتی شاور اور نفیس ترین غسل خانے میں دیر تک غسل کرنے کے بعد لباس فاخرہ زیب تن کر رہا ہے اسکی شان و شکوہ اور اُس کے غسل اور تبدیلی لباس میں بظاہر بہت بڑا فرق دکھائی دے رہا ہے لیکن آپؐ کے تہذیب و تمدن اور طرز حیات کو نہ اپنانے کی وجہ سے یہ دنیا اور آخرت کی سعادتوں سے محروم رہا اور وہ اس فکر و عمل کی وجہ سے جب تک یہ لباس پہنے رکھے گا اس کو عبادت و ریاضت میں شمار کیا جائے گا قرآن مجید نے اس فلسفہ حیات کو ایک دعائیہ انداز میں اسطرح بیان فرمایا ہے۔

فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنيَا وَمَالَهٗ فِي الاٰخِرَةِ مِن خَلَاقٍ ٥ وَمِنهُم مَن يَّقُولُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنيَا حَسَنَةً وَفِي الاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

انسانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں ہی بھلائی دے دیجئے اور اس طرح کے بھی آدمی موجود ہیں جو دعا مانگتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا فرماتے ہوئے آخرت کے عذاب سے بچائے رکھنا۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں
کرگس کا جہاں اور شاہین کا جہاں اور

استراحت وآغاز صبح

نیند اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے۔ایک تھکا ماندہ انسان جب تھوڑی دیر کے لئے سو جائے تو نہ صرف اس کی ذہنی اور جسمانی تھکان دور بلکہ اس کی قوت کار بحال اور تازہ دم ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ نیند سے بڑے سے بڑا صدمہ بھی ہلکا ہو جاتا ہے۔ نیند قدرت کا ایک ایسا عطیہ ہے جس کے ادراک کیلئے اس شخص کو دیکھئے جو بے خوابی کی وجہ سے بستر پر کروٹ پہ کروٹ لیتا ہے، مگر نیند پھر بھی نہیں آتی۔اس کی آنکھیں پھٹ اور اعصاب تن جاتے ہیں۔ جسم اندر سے چور چور ہونے لگتا ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے نیند کو اپنے نشاناتِ قدرت میں سے شمار کیا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ۔(روم ۲۳)

"اس کی نشانیوں میں سے ایک تمھارا رات کو سونا بھی ہے۔"

پھر انسان کو نیند ہی کی نعمت سے نہیں نوازا بلکہ رات کو تاریک چادر اوڑھا کر سکون کا دامن قرار دیا تاکہ انسان دنیا و مافیھا سے بے خبر ہو کر راحت پا سکے۔اسی بناء پر نیند کو موت سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ کتنے ہی لوگ تھے جو صبح اٹھنے کے لئے سوئے مگر قیامت سے پہلے اٹھنا نصیب نہ ہوگا۔اس لئے ضروری ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو نیند کے حوالے کرنے سے پہلے مالکِ حقیقی کے مقدس نام اور نبی اکرمؐ کے معمولات کا خیال رکھے تاکہ اسکا عشاء سے صبح تک آرام کرنے کا ایک ایک لمحہ عبادت مین شمار ہو جائے۔

شب باشی اور اذکار

آپؐ بعض اوقات رات دیر تک قومی اور گھریلو معاملات پر اجلاس کرتے۔ البتہ بے وجہ عشاء کے بعد جاگنا آپؐ کو ہرگز پسند نہ تھا کیونکہ اس سے صبح اٹھنے میں سستی کا اندیشہ اور صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔آپؐ سونے سے پہلے مسواک اور وضو

کرتے، کئی دفعہ سر پر تیل لگا کر ٹوپی پہنتے تاکہ بستر کو چکناہٹ نہ لگ جائے، اکثر رات کو آنکھوں میں سرمہ ڈالتے، بستر کی شکنیں دور فرماتے اور قرآنِ پاک کی کچھ سورتیں پڑھتے ہوئے دعاؤں کے ساتھ دائیں کروٹ لیٹتے تاکہ دل پر بوجھ نہ پڑے۔

قرآن پاک کی آخری تین سورتیں تین تین بار پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونک مار کر تین دفعہ چہرے اور جہاں تک ممکن ہوتا جسم پر ہاتھ پھیرتے۔(مشکوۃ)

قُل هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ oاَللّٰهُ الصَّمَدُoلَم يَلِد وَلَم يُولَد oوَلَم يَكُن لَّهُ كُفُواً اَحَدٌo

"کہہ دیجئے وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے خود کسی کو جنم دیا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ ہی اس کا کوئی ہم سر اور شریک ہے۔

قُل اَعُوذُ بِرَبِّ الفَلَقِ oمِن شَرِّ مَاخَلَقَ oوَ مِن شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ oوَ مِن شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی العُقَدِ oوَ مِن شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ o

"(اے نبیؐ) کہہ دیجئے میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی، ہر چیز کی برائی سے جو اس نے بنائی ہے، اندھیرے کے نقصان سے جب وہ سمٹ آئے اور ان عورتوں کی برائی سے جو گرہوں میں پھونک ماریں اور بد خواہ کی برائی سے جب وہ بد خواہی پر اتر آئے۔

قُل اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ oمَلِكِ النَّاسِ oاِلٰهِ النَّاسِ oمِن شَرِّ الوَسوَاسِ الخَنَّاسِ oالَّذِی یُوَسوِسُ فِی صُدُورِ النَّاسِ oمِنَ الجِنَّةِ وَالنَّاسِ o

"(اے نبیؐ) کہہ دیجئے میں پناہ چاہتا ہوں لوگوں کے رب، بادشاہ اور معبود کی چھپ کر نقصان پہنچانے والے سے، اس بدی سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرے، جنوں میں سے اور انسانوں میں سے"

اپنی لختِ جگر حضرت فاطمہؓ کو سوتے وقت یہ وظیفہ بھی بتلایا:

۳۳ مرتبہ الحمدللہ ، ۳۳ بار سبحان اللہ اور ۳۴ دفعہ اللہ اکبر۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ابو ہریرہؓ کو آیۃ الکرسی پڑھنے کیلئے فرمایا کہ اس سے حفاظت کے لئے ایک فرشتہ مامور ہو جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

اور یہ دعا بھی پڑھا کرتے :

اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَ اَحْیَا۔ (بخاری کتاب التوحید)

"اے اللہ ! میں تیرے نام سے سونے لگا ہوں اور آپ کے نام کی برکت سے ہی اٹھ سکوں گا۔

اسی طرح عشاء کے بعد سورۂ ملک اور سورۂ سجدہ تلاوت فرماتے اور ان کے فوائد ذکر کرتے ہوئے فرماتے کہ آدمی قبر کے عذاب سے محفوظ ہو جائے گا۔ (مشکوٰۃ)

کروٹ بدلتے وقت جاگتے تو کچھ نہ کچھ اللہ کا ذکر ضرور کرتے۔ نیند نہ آنے کی صورت میں یہ دعا پڑھتے :

اَللّٰھُمَّ غَارَتِ النَّجُوْمُ وَ ھَدَأَتِ الْعُیُوْنُ وَ اَنْتَ حَیٌّ قَیُّوْمٌ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اَھْدِ لَیْلِیْ وَاَنِمْ عَیْنِیْ۔ (مشکوٰۃ)

"اے اللہ ! ستارے ڈوبنے لگے ہیں اور لوگ آرام کر رہے ہیں جبکہ آپ تو زندہ اور قائم ہیں۔ اے زندہ اور قائم ! مجھے رات کا سکون اور نیند کی نعمت سے ہمکنار فرما۔"

نیند میں ڈرنے والے کو تلقین فرمائی کہ یہ کلمات پڑھ کر دل کی جانب پھونک دے۔

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَ عِقَابِهٖ وَ مِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَ رَبِّ اَنْ یَحْضُرُوْنِ۔ (المشکوٰۃ)

"میں کامل کلمات کے ساتھ اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اس کے غصے اور لوگوں کے شر، شیطانوں کے وسوسوں اور ان کی حاضری سے۔"

خواب کی حقیقت

خواب ایک حقیقت ہے کیونکہ نبی اکرمؐ نے انبیاء کے خواب کو نبوت کا چالیسواں حصہ قرار دیا ہے۔ انبیاء کے علاوہ کسی نیک سے نیک آدمی کا خواب بھی کسی کے لئے حجت اور دلیل نہیں بن سکتا اور نہ ہی خواب کی بنیاد پر کسی آدمی کو کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا۔ کیونکہ خواب کا انسان کی صحت اور اس کے ساتھ ہونے والے حالات وواقعات کے ساتھ گہرا تعلق ہے جس قسم کے ماحول اور حالات سے آدمی گزر رہا ہو شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کے اثرات انسان کے ذہن پر مرتب ہوتے ہیں اور اکثر اوقات وہ نیند میں خواب کی صورت اختیار کر جاتے ہیں اسلئے نبی اکرمؐ خواب دیکھنے والوں کو یہ ہدایات جاری فرمایا کرتے تھے۔ جب کسی کو خواب آئے تو وہ ایسے شخص کے سامنے اس کا ذکر کرے جس کو خواب کی تعبیر کا ملکہ حاصل ہو۔ دوسرے شخص کے سامنے خواب بیان کرنے سے روک دیا گیا۔ کیونکہ تعبیر کا علم نہ رکھنے کی وجہ سے وہ اوٹ پٹانگ باتیں کرے گا جس سے خواب دیکھنے والا مزید پریشان ہو جائے گا۔ لہٰذا آپؐ نے ان الجھنوں سے بچنے کے لئے امت کو آسان ترین طریقہ بتلایا ہے کہ جب کسی کو برا خواب آئے جاگ آتے ہی اللہ کی بارگاہ میں اس کے شر سے بچنے کی دعا کرے۔ اور اگر خواب میں بہتر صورت حال دیکھے تو اسکے حصول کے لئے بارگاہ خداوندی میں درخواست پیش کرے کہ اے اللہ! اس خیر کو جلد از جلد میرے نصیبے میں لکھ دیجئے۔

شب زندہ داری کے روحانی، جسمانی ثمرات وبرکات

سحری کا وقت حاجات ومناجات اور سکون واطمینان کے لئے ایسا وقت ہے کہ لیل ونہار کا کوئی لمحہ ان لمحات کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ زمین وآسمان کی وسعتیں نورانی کیفیت سے لبریز دکھائی دیتی ہیں۔ ہر طرف سکون وسکوت

انسان کی فکر و نظر کو جلا بخشنے کے ساتھ خالقِ حقیقی کی طرف متوجہ کر رہا ہوتا ہے۔ ایک طرف رات اپنے سیاہ فام دامن میں لے کر ہر ذی روح کو سلائے ہوئے ہے اور دوسری طرف بندۂ مومن اپنے خالقِ حقیقی کی بارگاہ میں پیش ہونے کیلئے کروٹیں بدلتا ہوا اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ کہیں نیند کی غفلت میں یہ پرنور لمحات گذر نہ جائیں۔ وہ ٹھنڈی راتوں میں یخ پانی سے وضو کر کے رات کی تاریکیوں میں لرزتے ہوئے وجود اور کانپتی ہوئی آواز کے ساتھ شکر و حمد اور فقر و حاجت کے جذبات میں زار و قطار روتا ہوا فریاد کناں ہوتا ہے۔ وہ آنسوؤں کے قطروں سے اس طرح اپنی ردائے حیات کو دھو ڈالتا ہے کہ اس کا دامن گناہوں کی آلودگی سے پاک اور وجود دنیا کی تھکن سے ہلکا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ طویل ترین قیام اور دیر تک رکوع و سجود میں پڑا رہنے سے تہجد بندۂ مومن کو ذہنی اور جسمانی طور پر طاقت و توانائی سے ہمکنار کر دیتی ہے۔ اگر وہ خورد و نوش میں مسنون طریقوں کو اپنائے تو اس کو کسی قسم کی سیر و سیاحت حتیٰ کہ معمولی ورزش کی حاجت بھی نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کی اس صفت کا اس طرح تذکرہ فرماتے ہیں :

تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفاً وَ طَمَعاً وَ مِمَّا رَزَقْنَاھُمْ یُنْفِقُوْنَ٥ (السجدہ ١٦)

”وہ اپنے بستروں سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے اور جو ہم نے انہیں دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔“

اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّیْلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطْأً وَّ اَقْوَمُ قِیْلاً ٥ (المزمل ٧ پارہ ٢٩)

”حقیقتاً رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے اور قرآن پاک پڑھنے کیلئے موزوں ترین وقت ہے۔“

۲۱۸۲۸

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ،اٰخِذِیْنَ مَااٰتٰھُمْ رَبُّھُمْ اَنَّھُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِکَ مُحْسِنِیْنَo کَانُوْا قَلِیْلاً مِنَ اللَّیْلِ مَایَھْجَعُوْنَo وَبِالْاَسْحَارِ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَo (الذریات ۱۸-۱۷)

"یقیناً متقی لوگ اس دن باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ جو کچھ ان کا رب انہیں عطا کرے گا وہ بڑی خوشی کے ساتھ لے رہے ہوں گے۔ وہ اس دن کے قائم ہونے سے پہلے نیک اعمال کیا کرتے تھے۔ راتوں کو کم ہی سویا کرتے تھے اور رات کے پچھلے حصے میں اللہ کے حضور معافی مانگتے تھے۔"

عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ بَعْدَ الصَّلٰوۃِ الْمَکْتُوْبَۃِ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ۔

"جناب ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترمؐ نے فرمایا: نماز فرض کے بعد افضل ترین نماز وہ ہے جو درمیانی رات ادا کی جائے۔"

عَنْ اِبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ یَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کُلَّ لَیْلَۃٍ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا حِیْنَ یَبْقَی ثُلُثُ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ یَقُوْلُ مَنْ یَدْعُوْنِیْ فَاَسْتَجِیْبَ لَہُ مَنْ یَسْاَلُنِیْ فَاُعْطِیَہٗ مَنْ یَسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرُ لَہُo (بخاری ومسلم)

"حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: کہ رب تعالیٰ رات کے آخری حصے میں آسمانِ دنیا پر تشریف لا کر فرماتے ہیں: کون ہے مجھ سے طلب کرنے والا میں اسکو عطا کروں اور کون ہے جو مجھ سے بخشش اور مغفرت چاہے میں اسکو بخشتا چلا جاؤں۔"

عَنْ عَائِشَۃَؓ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّیْلِ اِفْتَتَحَ

الصَّلٰوةَ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ۔(مسلم)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول پاکؐ جب رات کو نماز تہجد کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے ہلکی ہلکی دو رکعتیں پڑھا کرتے۔"

تہجد کی رکعات

عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّؐ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً مِنْهَا الْوِتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ۔(مسلم)

"حضرت عائشہ صدیقہؓ ارشاد فرماتی ہیں کہ نبی محترمؐ رات کو تیرہ رکعتیں نماز ادا کرتے جن میں وتر اور فجر کی دو سنتیں بھی شامل ہوا کرتی تھیں۔"

کبھی وقت اور طبیعت کی بنا پر اس سے کم رکعات پڑھنا بھی ثابت ہیں۔

نماز تہجد کی قضا

عَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّ النَّبِيَّؐ كَانَ اِذَافَاتَتْهُ الصَّلٰوةُ مِنَ اللَّيْلِ مِنْ حَرَجٍ اَوْ غَيْرَهُ صَلّٰى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَىْ عَشَرَةَ رَكْعَةً۔(مسلم)

"حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ اگر نبی محترمؐ تہجد کی نماز کسی مجبوری یا عذر کی بناء پر نہ پڑھ سکتے تو پھر آپؐ دن کو بارہ رکعات ادا کرتے۔"

عَنْ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهٖ اَوْعَنْ شَيْئٍ مِنْهُ قَرَاَهُ فِيْمَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الظُّهْرِ كُتِبَ لَهٗ كَاَنَّمَا قَرَاَهُ مِنَ اللَّيْلِ۔(مسلم)

"حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترمؐ فرمایا کرتے تھے۔ جس شخص کا نیند کی وجہ سے کوئی ذکر یا اسکا کچھ حصہ رہ جائے وہ نماز فجر کے بعد ظہر سے پہلے ادا کرے۔ اسکے نامہ اعمال میں رات جیسا عمل ہی لکھا جائیگا۔"

نماز تہجد پڑھنے کی کیفیت

نبی اکرمؐ تہجد کی پہلی دو رکعتیں نسبتاً ہلکی پڑھتے اور بعد ازاں آپؐ کے قیام و سجود کی حالت یہ ہوتی کہ بسااوقات آپؐ کے قدم پھول جاتے۔ پھر نماز میں اس طرح بے ساختہ زاروقطار روتے کہ ہچکی بندھ جاتی۔ دیکھنے والا یوں محسوس کرتا جیسے چولہے پر ہنڈیا کھول رہی ہو۔ کبھی یوں ہوتا کہ ایک رکعت میں ایک ہی آیت بار بار تلاوت کرتے اور روتے چلے جاتے۔ ایسے لگتا کہ آپؐ اللہ تعالی کی جلالت و جبروت اور قوت وسطوت کے خوف سے زمین پر گر جائیں گے۔

☆☆☆

☆ سونے کے وقت مسواک، وضو، مسنون دعائیں اور کچھ نہ کچھ قرآن کی تلاوت کیجئے۔

☆ ہر کسی سے خواب کا تذکرہ نہیں کرنا چاہئے۔

☆ جاگ آجائے تو برا خواب دیکھنے کے وقت کروٹ بدلئے۔ اعوذباللہ پڑھ کر بائیں جانب سینے پر ہلکا سا تھوکئے اور اللہ سے اسکے منفی اثرات سے پناہ مانگئے۔

☆ نماز تہجد کی عادت ڈالئے، علی الصبح رب کے حضور اٹھئے اور دعا مانگئے۔

☆ نماز تہجد جسمانی صحت اور روحانی بلندیوں کا زینہ ہے۔

☆ جلد سونا اور جلد اٹھنا آپؐ کی سنت مبارکہ ہے۔

☆ بے مقصد رات کو جاگنا صحت اور دین کے لئے نقصان دہ ہے۔

طہارت ونظافت

مسلمانوں کے علاوہ دنیا کے دوسرے مذہبی گروہوں میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ عبادت گزار نہانے دھونے سے جس قدر دور رہے گا اسی قدر وہ اللہ کے مقرب بندوں میں شامل ہوتا چلا جائے گا۔آپؐ جس خطہ زمین میں پیدا ہوئے وہ پانی کی قلت کے اعتبار سے دنیا کے خشک ترین علاقوں میں شمار ہوتا ہے۔ سنگلاخ زمین، پوٹھوہار کا علاقہ اور خشک ترین پہاڑ جن کی چوٹیاں دوپہر کے وقت زمین پر آگ کے گولے برساتی ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔اسلام نے طہارت وپاکیزگی، صفائی اور ستھرائی کو اس قدر اہمیت دی کہ وحی کے بالکل ابتدائی احکامات میں آپؐ کو توجہ دلائی گئی کہ جس ذات اطہر سے آپؐ نے رابطہ رکھنا اور جس ذمہ داری کو آپؐ نے اٹھانا ہے اسکے اولین تقاضوں میں سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ اپنے آپ کو پاک صاف رکھنا ہوگا۔

یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرْo قُمْ فَاَنْذِرْo وَرَبَّكَ فَكَبِّرْoوَ ثِیَابَكَ فَطَهِّرْo وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْo(المدثر ۱-۵)

”اے چادر لپیٹنے والے! اٹھیں اور لوگوں کو خبردار کریں،اپنے رب کی کبریائی کا اعلان کیجئے،اپنے کپڑے پاک رکھئے اور گندگی سے بچے رہئے۔“

کیونکہ آپؐ نے انسان کو ہر اعتبار اور سمت سے پاک صاف بنانے کی کوشش کرنا ہے اس لئے آپؐ کو صفائی اور طہارت کے ارفع ترین درجے کو اختیار کرنا ہوگا۔ پھر دینِ حق فقط روح وبدن کی پاکیزگی پر توجہ نہیں دیتا وہ تو طہارت ونفاست کے تصور کو وسعت دیتے ہوئے یہاں تک کہہ دیتا ہے :

اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِo(مسلم، کتاب الطهارة)

”پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے۔“

اس لئے وہ ہر زاویہ نگاہ سے انسان کو پاک صاف دیکھنا پسند ہی نہیں کرتا بلکہ پاک رہنا خدا کی محبتوں کا مرکز قرار دیتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَo (البقرہ ۲۲۲)

"بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔"

اسلام روح وبدن، رہن سہن حتیٰ کہ بالوں کی تراش خراش کے بارے میں ہدایات جاری کرتے ہوئے مسلمانوں کو مکمل تہذیب وتمدن کے ڈھانچے میں فٹ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

غسل اور استنجا کا طریقہ

واجب اور ضروری غسل کے لئے آپؐ کا طریقہ یہ تھا۔ اس زمانے میں نل اور ٹونٹیوں کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے آپؐ برتن سے الگ ہاتھ دھوتے، پھر استنجا کرتے اور استنجا کے بعد نماز جیسا وضو فرماتے بعد ازاں تین دفعہ سر مبارک پر پانی ڈالتے ہوئے غسل فرماتے۔

نوٹ: نارمل حالات میں پورے جسم پر ہاتھ لگ جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔

صاف ستھرا لباس

آپؐ کے مزاج گرامی میں انتہا درجے کی نفاست پسندی تھی۔ سادہ اور معمولی لباس، قطع وبرید، رنگ ڈھنگ اور پہننے کے انداز سے آپؐ بے پناہ خوبصورت اور نفیس ترین شہزادے نظر آتے تھے اور اسی نفاست پسندی کو آپؐ نے اپنی امت کیلئے پسند فرمایا، جس طرح آپؐ مسلمانوں کے کردار وافکار میں پاکیزگی پسند فرماتے تھے اسی طرح ہی رہن سہن اور لباس میں بھی نفاست اپنانے کی تلقین کرتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ ایک آدمی آپؐ کے سامنے میلے اور پراگندہ لباس میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ تجھے کپڑے

دھونے کے لئے صابن میسر نہیں ہے؟

عَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ رَائِراً فَرَاَی رَجُلاً شَعْثاً قَدْ تَفَرَّقَ شَعْرُہُ فَقَالَ مَا کَانَ یَجِدُ ھٰذَا مَا یَسْکُنُ بِہِ رَأْسَہُ۔ رَأٰی رَجُلًا عَلَیْہِ ثِیَابٌ وَ سِخَۃٌ فَقَالَ مَاکَانَ یَجِدُ ھٰذَا مَایَغْسِلُ بِہِ ثَوْبَہُ؟۔(مشکوۃ)

"حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ہمارے پاس تشریف لائے تو آپؐ نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا جس کا لباس گندہ اور بال بکھرے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کیا اس شخص کو ایسی کوئی چیز میسر نہ تھی کہ جس سے یہ اپنے بال ٹھیک کر لیتا؟ اور پھر دوسرے آدمی جس نے گندہ لباس پہنا ہوا تھا فرمایا کیا اس کے پاس کچھ بھی نہیں کہ جس سے یہ اپنے کپڑے دھو لیتا۔"

پاک جسم

جس طرح روح وبدن لازم وملزوم ہیں۔ اگر روح کرب میں مبتلا ہو تو جسم صحیح ہونے کے باوجود ٹوٹ پھوٹ اور کرب کا شکار ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح جسمانی تکلیف کے وقت روح مضطرب ہو جاتی ہے۔ یعنی روح اور جسم ایک دوسرے کے دکھ اور درد کو یکساں محسوس کرتے ہیں۔ یہی کیفیت ظاہری اور باطنی طہارت و کثافت کی ہے۔ جسمانی طور پر گندا رہنے والا روحانی اور فکری آسودگی سے پوری طرح لذت آشنا نہیں ہو سکتا۔ روح و فکر میں پراگندگی ہو تو جسمانی صفائی کی طرف طبیعت آمادہ ہی نہیں ہوتی۔ اگر وہ نہا دھو بھی لے تو صفائی کے اثرات سے روح لطف ولطافت محسوس نہیں کرتی۔ اسی لئے ملت اسلامیہ کو جسمانی اعتبار سے پاک صاف رکھنے کے لئے نماز سے پہلے طہارت اور وضو کو فرض ٹھہرایا گیا ہے:

لَاتُقْبَلُ صَلٰوۃٌ بِغَیْرِ طَھُوْرٍ۔(مشکوٰۃ)

"وضو کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔"

حکومتیں اور قومیں لاکھوں کروڑوں خرچ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچ پائیں کہ لوگوں میں صفائی کو رواج دینے کے لئے سال بھر میں کچھ دن صفائی کے لئے مقرر کئے جائیں۔ جبکہ نبی محترمؐ صفائی اور صحت کے لئے پانچ وقت وضو کے علاوہ ہفتہ وار غسل کو لازم قرار دے دیا۔ ہوا یوں کہ ایک دفعہ نبی اکرمؐ جمعہ کا خطبہ دینے کے لئے مسجد میں تشریف لائے تو آتے ہی ایک تعفن محسوس کیا۔ کثرت ہجوم اور شدت گرمی کی وجہ سے نمازی پسینے میں شرابور تھے تبھی سے آپؐ نے حکم دیا کہ جمعے کے روز ہر نمازی کے لئے غسل کرنا لازمی ہے۔

حَقًّا عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْ یَغْتَسِلُوْا یَوْمَ الْجُمُعَۃِ۔(مسند امام احمد ،ترمذی)

"مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ جمعہ کو غسل کریں۔"

چمک دار دانت

منہ کی صفائی، دانتوں کی صفائی کے بغیر ممکن نہیں۔ جتنے دانت صاف ہونگے اتنا ہی منہ بدبو سے پاک ہوگا۔ دانتوں کی صفائی کیلئے جہاں تک ہو سکتا آپؐ تازہ مسواک کو ترجیح دیتے اور مسواک کرتے وقت جس قدر قوت برداشت ہوتی آپؐ مسواک کو حلق کے اندر لے جاتے تاکہ گلے کی رگوں سے ہر قسم کی رطوبتیں خارج ہو جائیں۔ اس طرح دانتوں کی مضبوطی میں اضافہ اور معدے کے فاسد مادے خارج ہوتے ہیں۔ معدہ ہلکا محسوس ہونے لگتا ہے حلق، منہ اور دانتوں کی صفائی کا مقصد منجن اور ٹوتھ پیسٹ وغیرہ سے پوری طرح حاصل نہیں ہوا۔ اس کے باوجود آپؐ نے مسواک کو لازم قرار نہیں دیا کیونکہ مقصد منہ کی صفائی ہے۔ اگر مسواک کو فرض

قرار دیا جاتا تو لاکھوں کروڑوں کی آبادی میں مسواک حاصل کرنا ناممکن ہو جاتا۔ جبکہ بنیادی بات تو منہ کو صاف رکھنا ہے۔ دانتوں کی صفائی کا اس قدر اہتمام تھا کہ آپؐ فرماتے ہیں جب بھی جبرائیل امینؑ میرے پاس تشریف لاتے تو دوسری باتوں کے ساتھ اکثر مجھے اس طرف توجہ دلاتے کہ اے اللہ کے رسولؐ! مسواک کا اہتمام جاری رکھیئے۔ میں نے اس قدر مسواک کا استعمال شروع کیا کہ مجھے محسوس ہونے لگا کہ شاید میرا منہ زخمی ہو جائے گا۔

لَقَدْ خَشِيْتُ اَنْ اُحفِيَ مَقَدَّمَ فِيَّ۔(مشکوٰۃ)

"مجھے محسوس ہونے لگا کہ شاید میرا منہ زخمی ہو جائیگا۔

آپؐ وضو کے علاوہ بھی مسواک کا استعمال فرماتے تھے۔ امت کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَؓ بِأَيِّ شَيْءٍ يَبْدَؤُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ بَيْتَهٗ قَالَتْ بِالسِّوَاكِ۔(مشکوٰۃ)

"حضرت شریح بن ہانی فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ اللہ کے نبیؐ گھر میں داخل ہو کر پہلا کام کیا کرتے تھے تو آپؓ نے فرمایا مسواک استعمال فرماتے۔"

لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلَى اُمَّتِيْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ۔(مشکوٰۃ)

"اگر میں اپنی امت پر بوجھ محسوس نہ کرتا تو میں ہر نماز کے ساتھ مسواک کو فرض قرار دے دیتا۔"

حتیٰ کہ جب آپؐ اس دارِ فانی سے دارِ آخرت میں داخل ہو رہے تھے، شدید بخار اور انتہائی کمزوری کے عالم میں دیکھا کہ عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ تازہ مسواک لئے کمرے میں داخل ہو رہے ہیں، نگاہِ پاک مسواک پر ٹک گئی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے بھائی سے مسواک لے کر آپؐ کے حضور پیش کی جو آپؐ نقاہت کی وجہ سے چبا نہ سکے تو میں نے

اپنے دانتوں سے نرم کر کے آپ کی خدمت میں دوبارہ پیش کی۔اس طرح میر العاب میرے آقاوسر تاج کے لعاب سے ملااور یہ سعادت فقط میرے نصیبے میں آئی۔(بخاری کتاب الجمعۃ)

بالوں کا سنوار

جیسا کہ میں عرض کررہا ہوں کہ شریعت اسلامیہ نے مسلمانوں کو ایک مخصوص طرز زندگی اور منفرد تہذیب وثقافت اپنانے کی تعلیم دی ہے۔جس طرح لباس جسم وجثہ ،دانت اور منہ کی صفائی کی اہمیت ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر شکل و صورت کا شرعی انداز اور وضع قطع کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے فطری اور طبعی حسن میں نکھار پیدا کرنا مسلمانوں بالخصوص دینی طبقے کا فرض ہے۔جبکہ دیکھنے میں آیا ہے کہ چہرے پر داڑھی سجانے والے نوجوان یا بزرگ خدا کے عطا کردہ حسن وجمال کی پرواہ نہیں کرتے۔داڑھی اور سر کے بال اس قدر الجھے ہوئے ہوتے ہیں کہ غیر مسلم تو درکنار مناسب دینی ذہن رکھنے والا نوجوان بھی داڑھی رکھنے کیلئے اپنے آپ میں آمادگی نہیں پاتا۔ایسے ہی الجھے ہوئے بالوں والے شخص کو دیکھ کر نبی محترمؐ نے فرمایا تھا کہ تمہیں ان بالوں کو درست رکھنے کیلئے فرصت نہیں ؟بلکہ آپ کی شیریں زبان میں اس قدر تلخی پیدا ہو گئی فرماتے ہیں کہ تم کس طرح ان الجھے ہوئے بالوں میں شیطان بنے پھرتے ہو۔تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ خود بھی خوبصورت ہیں اور خوبصورتی کو پسند بھی کرتے ہیں۔

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ ثَائِرُ الرَّأْسِ وَ اللِّحْيَةِ فَاَشَارَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِهٖ كَأَنَّهُ يَأْمُرُهُ بِاِصْلَاحِ شَعْرِهٖ وَ لِحْيَتِهٖ فَفَعَلَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَيْسَ هٰذَا خَيْرًا مِنْ اَنْ يَاْتِيَ اَحَدُكُمْ وَ هُوَ ثَائِرَ الرَّاْسِ كَأَنَّهُ شَيْطَانٌ۔(مؤطا امام مالك)

"حضرت عطاء بن یسارؒ ذکر کرتے ہیں کہ نبی محترمؐ مسجد میں تشریف فرما تھے

کہ ایک آدمی بکھری ہوئی داڑھی اور پراگندہ سر کے ساتھ آپؐ کے سامنے آیا۔ آپؐ نے اس کو اشارے سے سمجھایا کہ اپنے بالوں کو درست کیجئے۔ وہ اپنے گھر پلٹا اور بالوں کو سنوار کر دوبارہ آپؐ کے حضور پیش ہوا اس وقت آپؐ نے فرمایا: شیطانی شکل صورت اختیار کرنے کی بجائے یہ کتنے بہتر نظر آرہے ہیں۔" اور پھر فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ۔ (نسائی)

"اللہ خود حسین و جمیل ہیں اور حسن و جمال کو پسند کرتے ہیں۔"

شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے مسلمان بیٹیوں کو پردے اور شرم و حیا کی پابندی رکھتے ہوئے مکمل طور پر حسن و جمال اختیار کرنیکی اجازت فرمائی۔

مرد کو سونا اور ریشم پہننے سے روک دیا جبکہ خواتین کے لئے جائز فرمایا کہ حسن و زیبائی عورت کا حق ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عثمانؓ بن مظعون کی دلہن کو دیکھ کر استفسار فرمایا تھا کہ بیٹی آپ کی شادی کو ابھی چند دن ہی گذرے ہیں لیکن آپ کے چہرے، مہرے اور لباس سے اس کے اثرات دکھائی نہیں دیتے۔ عرض کرنے لگی اماں جان میں کس کے لئے بناؤ سنگھار کروں۔ میرا شوہر رات مصلے پر اور دن روزے کی حالت میں گذارتا ہے۔ یہ واقعہ جب نبی کریمؐ کی علم میں آیا تو آپؐ نے عثمان بن مظعونؓ کو بلا کر فرمایا تھا:

اِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا اِن لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا۔ (مشکوٰۃ)

"تجھ پر تیری آنکھ جسم اور رفیقۂ حیات کے بھی حقوق ہیں۔" جسے ہر حال میں پورا کرنا چاہئے۔

آپؐ کا فرمان کہ گھروں کے آنگن صاف رکھیئے

آپؐ نے ملت کے افراد کو ذاتی طور پر پاک صاف اور لباس کے اعتبار سے صاف رہنے کا حکم ہی نہیں دیا بلکہ یہ بھی ارشاد عالی ہے کہ آدمی جہاں رہ رہا ہو وہ جگہ حتیٰ کہ گھر کا صحن بھی صاف ستھرا رہنا چاہئے:

اِنَّ اللّٰہَ نَظِّیْفٌ یُحِبُّ النَّظَافَۃَ ،نَظِّفُوْا اَفْنِئَتَکُمْ۔(ترمذی)

"اللہ تعالیٰ پاک صاف ہیں اور صفائی کو پسند کرتے ہیں۔ تم اپنے گھروں کے صحن کو صاف رکھا کرو۔"

اسی طرح آپؐ نے مسلمانوں کی آبادیوں کو اعلیٰ مدنیت کے اصولوں سے آراستہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جس شخص نے راستے سے ایذا دینے والی چیز کو ہٹا کر راستہ صاف اور ہموار کر دیا ایسے شخص کے نامۂ اعمال میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نیکیوں کا اندراج کیا جائے گا۔

اسی لئے جب حضرت عمرؓ کے زمانے میں کوفہ اور بصرہ کے شہر آباد ہوئے تو ان کی پلاننگ اس طرح کی گئی کہ شدید بارش کے باوجود پانی کا ایک قطرہ بھی وہاں نہ ٹھہرتا تھا اور ان شہروں میں چھوٹے چھوٹے بازار بھی بیس فٹ سے کم نہیں ہوا کرتے تھے۔ اور انکی صفائی کے لئے بہترین انتظامات کئے جاتے تھے۔(الفاروق)

☆☆☆

☆ ظاہر اور باطن کو پاک رکھئے۔

☆ صاف ستھرے دانت صحت کی ضمانت ہیں۔

☆ طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔

☆ شرم وحیا میں رہ کر حسن وجمال اپنایئے۔

☆ صاف ستھری مدنیت مسلمانوں کا ورثہ ہے۔

آپؐ کے ملبوسات

اللہ تعالیٰ نے لباس کی ضرورت واہمیت بیان کرتے ہوئے صرف مسلمان یا کسی خاص قبیلے اور قوم کو ہی مخاطب نہیں فرمایا بلکہ لباس کی مقصدیت اجاگر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لباس آدمی کی زینت اور ستر پوشی کا مظہر ہونا چاہیئے۔

يَابَنِی آدَمَ قَد اَنزَلنَا عَلَيكُم لِبَاسًا يُوَارِی سَوءٰ تِكُم وَرِيشًاوَّ لِبَاسُ التَّقوىٰ ذٰلِكَ خَيرٌO(سورة اعراف ٢٦)

"اے آدم کی اولاد! ہم نے تمہارے لئے لباس نازل کیا جو تمہارے جسموں کو ڈھانپنے کیساتھ تمہارے وجود کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ ہے۔ بہترین لباس پرہیزگاری کا لباس ہے۔"

ریش :

ریش پرندے کے پروں کو بھی کہا جاتا ہے۔ جو اس کا لباس ہونے کے ساتھ ساتھ حسن وزیبائی کا باعث اور پھر اس کی اڑان اور پروان کا ذریعہ بھی ہے۔ انسان کیونکہ پوری مخلوق میں ظاہری اور معنوی اعتبار سے خوب صورت ترین پیدا کیا گیا ہے۔

لَقَد خَلَقنَا الاِنسَانَ فِی اَحسَنِ تَقوِيمٍO(التین .پ ٣٠)

"بلاشبہ ہم نے انسان کو بہترین انداز میں تخلیق کیا ہے۔"

اس لئے ضروری ہے کہ وہ ایسا لباس زیب تن کرے جو وضع قطع اور رنگ وڈیزائن کے اعتبار سے اس کی قدو قامت اور نکھار و سنوار میں اضافہ کرے۔ دوسرا مقصد تقویٰ قرار پایا۔ یہاں تقویٰ کے دونوں معنی مراد لینے چاہئیں۔ ظاہری کثافت ونجاست اور موسموں کی حدت وبرودت، ہوا اور فضا کے برے اثرات سے اپنے آپ کو بچانا اسی کے باعث آپؐ ہمیشہ موسم کے مطابق لباس زیب تن فرماتے۔ دیکھنے والوں کا

بیان ہے کہ گرمیوں میں آپ کھلا کرتا پہنتے۔ جب آپؐ دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتے تو بسا اوقات سامنے بیٹھا ہوا آدمی آپؐ کی آستینوں سے بغلوں کے قریب بازوؤں کی سفیدی دیکھ سکتا تھا۔

وَاِنَّهٗ یَرفَعُ حَتّٰی یُریٰ بَیَاضُ اِبطَیه۔(مشکوٰۃ کتاب الاستسقاء)

"آپؐ نے اس قدر ہاتھ بلند کئے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔"

اور اسی طرح آپؐ سردیوں میں نسبتاً چست لباس استعمال فرماتے۔ یہاں تک کہ آپؐ ایک دفعہ وضو کرنے لگے تو کہنیوں کو دھونے کیلئے آستین چڑھانا چاہیں، جب اوپر نہ ہو پائیں تو آپؐ کو اچکن اتارنا پڑی۔

اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ لَبِسَ جُبَّةً رُومِیَّةً ضَیِّقَةَ الکُمَّینِ۔(بخاری ، مسلم)

"بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رومی جبہ پہنا جس کی آستینیں تنگ تھیں۔"

لباس کا دوسرا مقصد شرم وحیا کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھنا ہے۔ قرآنِ کریم اس کو تقویٰ سے تعبیر کرتا ہے۔ اگر لباس موسم کے مطابق نہیں تو صحت کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے اور اگر شریعت کے تقاضے پورے نہیں کرتا تو حیا کے رخصت ہونے کا خدشہ ہے۔ اسی بنا پر خاص کر عورت کو شرم وحیا کی تلقین فرماتے ہوئے پردے کا حکم دیا۔

عَن اِبنِ مَسعُودٍ عَنِ النَّبِیِّ ؐ قَالَ اَلمَراۃُ فَاِذَاخَرَجت اِستَشرَ فَهَاالشَّیطٰنُ۔(رواہ الترمذی)

"جناب عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا عورت پردہ ہے اور اسے پردے میں ہی رہنا چاہیے۔ جب کوئی عورت بے پردہ باہر نکلتی ہے تو شیطان صفت لوگ اس کو اپنی نظروں کا نشانہ بناتے ہیں"

اور یہ بھی فرمایا کہ عورتیں زیادہ باریک لباس نہ پہنیں۔ جس سے ان کا جسم نظر

آئے۔ لباس کے باوجود برہنہ دکھائی دینے والی عورتوں پر پھٹکار کے الفاظ استعمال کئے۔

عَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّ اَسْمَآءَ بِنْتَ اَبِیْ بَکْرٍ دَخَلَتْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَعَلَیْھَا ثِیَابٌ رِقَاقٌ فَاَعْرَضَ عَنْھَا وَقَالَ یَا اَسْمَآءُ اِنَّ الْمَرْاَۃَ اِذَا بَلَغَتْ الْمَحِیْضَ لَنْ یُصْلُحَ اَنْ یُرَی مِنْھَا اِلَّا ھٰذَاوَھٰذَاوَاَشَارَ اِلٰی وَجْھِہٖ وَکَفَّیْہِ۔(ابو داود)

"حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں (میری بہن) اسماء بنت ابی بکرؓ رسول پاکؐ کے پاس آئیں اور وہ باریک کپڑے پہنے ہوئی تھیں۔ تو آپؐ نے ان کی طرف سے چہرہ پھیر لیا اور کہا کہ اے اسماء! جب عورت جوان ہو جائے تو اس کیلئے جائز نہیں کہ اس کے ہاتھوں اور چہرے کے علاوہ جسم کا کوئی حصہ نظر آئے۔"

دوسری روایات میں یہ وضاحت موجود ہے کہ چہرے کا ڈھانپنا نہایت ضروری ہے کیونکہ اگر چہرہ ننگا ہو تو پردے کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔

غرور اور تکبر سے بچیئے

غرور و تکبر سے بچنے کیلئے مردوں کو ٹخنوں سے نیچے تہہ بند رکھنے سے منع کر دیا۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ مَا اَسْفَلُ مِنَ الْکَعْبَیْنِ مِنَ الْاِزَارِ فِیْ النَّارِ۔(بخاری)

"حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص ٹخنوں سے نیچے تہبند رکھے گا اس کے ٹخنوں کو آگ میں جلایا جائیگا۔"

آپؐ کے ملبوسات کے رنگ وڈیزائن

آپؐ نے مردوں کے لئے سفید رنگ کو نہایت ہی پسند فرمایا۔

عَنْ سَمُرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّؐ قَالَ اِلْبَسُوا الثِّیَابَ الْبَیْضَ فَاِنَّھَا اَطْھَرُ

وَاَطيَبُ وَكَفِّنُوا فِيهَا مَو تَاكُم۔(الترمذی)

"حضرت سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سفید کپڑے پہنا کرو۔ کیونکہ یہ زیادہ صاف ستھرے اور نفیس ہوتے ہیں۔ اور اپنے فوت ہونے والوں کو سفید کپڑوں میں کفن دیا کرو۔"

اس پسندیدگی کے باوجود رنگ دار لباس بھی زیب تن کرتے تھے۔ خصوصاً وفود سے ملاقات کرتے ہوئے گیری رنگ کا لباس پہنتے۔ بالکل کالا، سبز اور سرخ رنگ کبھی استعمال نہیں کیا۔ مخصوص لباس اور ہمیشہ ایک ہی رنگ اختیار کیے رکھنا نیکی کی نمائش اور جاہل صوفیا کا طریقہ ہے۔

احادیث کی مقدس دستاویزات میں کالے یا سرخ رنگ کے لباس کے جو اشارات ملتے ہیں اس سے مراد سرخی یا سیاہی مائل کپڑے ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ بالکل سیاہ، سبز اور سرخ لباس آپؐ نے نہیں پہنا۔ حدیث میں ایسے رنگوں سے مراد ان رنگوں کا غالب ہونا ہے۔ البتہ دستار مبارک اور سردیوں میں اوپر لینے والی چادر خالص کالے رنگ کی استعمال فرمائی۔

عَنْ عَمْرِ وابْنِ حُرَ يْثٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ عَلَى الْمِنْبَرِ وَعَلَيْهِ عَمَامَةٌ سَوْدَآءَ۔(مسلم، ابوداؤد کتاب اللباس)

"حضرت عمرو بن حریثؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبیؐ کو منبر پر تشریف فرما دیکھا اور آپؐ سیاہ پگڑی پہنے ہوئے تھے۔"

وضع قطع کے اعتبار سے چند معمولی تبدیلیوں کے ساتھ آپؐ نے وہی لباس استعمال فرمایا جو اس زمانے میں لوگ پہنا کرتے تھے۔ اس دور میں لوگ اکثر قمیص کے ساتھ تہبند اور سر پر دستار سجایا کرتے تھے۔ یہی بڑے اور معزز لوگوں کا لباس

ہوا کرتا تھا۔ البتہ معاشرے میں پاجامہ اور شلوار بھی لوگوں کے زیر استعمال تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن قیمؒ نے اس بات کی طرف اشارے دیئے ہیں کہ نبی محترمؐ شلوار بھی پہنا کرتے تھے۔ جبکہ صحابہ کرامؓ سے شلوار یا پاجامہ اور سروں پر ٹوپیاں پہننے کے تو بہت سے ثبوت موجود ہیں۔

آپؐ کا انگوٹھی پہننا

ایک شخص نے حضرت انسؓ سے یہ سوال کیا

هَلْ اِتَّخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ خَاتِمًا۔

"کیا اللہ کے پاک نبی انگوٹھی پہنتے تھے؟"

تو خادم رسولؐ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہاں نبی اکرمؐ انگوٹھی بھی زیب انگشت کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ بڑے محبت بھرے انداز میں پورا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عشاء نبی اکرمؐ بڑی دیر سے مسجد میں تشریف لائے جبکہ ہم نماز کے لئے آپؐ کا انتظار کر رہے تھے۔ جماعت کے بعد آپؐ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اس وقت روئے زمین پر صرف آپؐ ہی نماز کے لئے جاگ رہے ہیں۔ گویا کہ تم لوگ نماز میں مشغول تھے اس وقت آپؐ نے دست مبارک میں انگوٹھی پہن رکھی تھی۔

فَكَأَنِّىْ أَنْظُرُ اِلٰى وَمِيْضِ خَاتِمِهٖ فِىْ يَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِؐ۔ (طبقات ج ۱ ص ۴۷۲)

"گویا کہ میں اب بھی رسول اللہؐ کے دست اقدس میں اس انگوٹھی کی چمک دیکھ رہا ہوں۔ جو آپؐ نے پہنی ہوئی تھی۔"

آپؐ انگوٹھی دائیں اور کبھی بائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ)

عمدہ، قیمتی لباس مگر سادگی

عام آدمی کے بارے میں نقطۂ نگاہ یہ تھا کہ اسے اپنے وسائل کے مطابق لباس

کا معیار قائم رکھنا چاہئے۔ جیسا کہ ایک صحابیؓ کا کہنا ہے کہ میں نبی اکرمؐ کی خدمت عالی میں حاضر ہوا اور میں نے اپنی حیثیت سے کم تر لباس پہنا ہوا تھا۔ آپؐ نے بڑے تعجب سے پوچھا خیر تو ہے کہ آپ نے اس قدر معمولی لباس پہنا ہوا ہے۔ تو میں نے عرض کیا اللہ کے نبیؐ! میرے پاس اللہ کی ہر نعمت موجود ہے تو اس وقت آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کے جسم وجثہ پر اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا اظہار بھی ہونا چاہئے۔

اِنَ اللّٰہَ یُحِبُّ اَن یَرَیٰ اَثرَ نِعمِہٖ عَلٰی عَبدِہٖ۔(نسائی ،ابو داؤد)

''اللہ تعالی کو یہ بات بہت پسند ہے کہ بندے پر اس کے انعام واکرام کے اثرات نمایاں طور پر نظر آئیں۔''

لیکن ذمہ داران قوم کیلئے سادگی اپنانے کی تلقین فرمائی۔

اَلَاتَسْمَعُوْنَ؟ اَنَّ الْبَذَاؤَۃَ مِنَ الْاِیْمَانِ۔(ابو داؤد)

''توجہ کے ساتھ سنئے! سادگی اور معمولی لباس ایمان کا حصہ ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین کی سادگی کے مناظر تاریخ کے اوراق میں جابجا پائے جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے بے خبری یا تعصب کی بنا پر حضرت امیر معاویہؓ کی تہذیب وثقافت کو قیصر وکسریٰ کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جبکہ دنیا کی سب سے بڑی مملکت یعنی چھپن لاکھ مربع میل پر فرمانروائی کرنے والے معاویہؓ اپنے لباس پر کئی پیوند چسپاں کئے ہوئے تھے۔ ہاں گورنری کے زمانے میں وہ عمدہ اور قیمتی لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے ان کی ثقافت کا جب نوٹس لیا تو انہوں نے جواباً عرض کیا کہ صوبہ شام رومیوں کی سرحد سے ملحق ہے۔ اس لئے میں ان پر رعب اور دبدبہ قائم رکھنے کیلئے ایسے ملبوسات پہنتا ہوں۔ کیونکہ رومی مسلمانوں کی سادگی کو کمزوری کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس عذر کو جائز قرار دیا تھا۔ لیکن حضرت معاویہؓ جب خود امیر مملکت

بنے تو انہوں نے یکسر طور پر اپنے آپ کو تبدیل کر لیا تھا پھر وہ سادہ اور معمولی لباس ہی پہنا کرتے تھے جسکی جھلک اوپر پیش کی گئی ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر قوموں اور معاشرے میں سادگی رواج نہیں پا سکتی اور پھر غریب کو غربت کے احساس سے نکالنے کیلئے مؤثر ترین نسخہ ہی یہی ہے۔ معاشرے کے بڑے لوگ سادہ بود و باش اختیار کریں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے تو سادگی کی انتہا فرمادی۔ زندگی کے آخری ایام میں گھر والوں کو نصیحت فرمائی۔ لیکن افسوس آج دین کے نام پر جلوسوں اور مزارات پر کروڑوں روپے ضائع کئے جارہے ہیں۔

جب تک سربراہان قوم، اعلیٰ حکام اور زعمائے ملت اپنے لئے سادگی کو نہیں اپنائیں گے ملت اپنے معاشی مسائل پر قابو نہیں پا سکتی۔

☆☆☆

☆ عمر اور حالات کے اعتبار سے لباس اور ڈیزائن اختیار کیجئے۔

☆ خواتین نمائش اور مرد تکبر اور غرور سے اجتناب کریں۔

☆ عام آدمی اپنی حیثیت اور نمائندگان قوم سادگی اپنائیں۔

☆ مخصوص لباس اور ایک ڈھنگ میں رہنا آپؐ سے ثابت نہیں۔

☆ لباس دائیں جانب سے پہننا آپؐ کی سنت ہے۔

☆ لباس پہننے کی دعا

اَلحَمدُلِلّٰہِ الَّذِی کَسَانِی مَا اُوَارِی بِہ عَورَتِی وَاَ تَّجَمَلُ بِہِ فِی حَیَا تِی

تمام ستائش اللہ کے لئے ہیں جس نے ڈھانپنے کیلئے لباس عطا کیا جو میری زندگی کیلئے ستر پوشی اور زینت کا باعث ہے۔

☆ پرانا لباس صدقہ کر دینا چاہیے۔

خُوردونوش کے آداب

کھانا پینا ہر جاندار کی ضرورت ہے۔اس کے بغیر زندگی اپناوجود کھوبیٹھتی ہے۔ مگر حیوان اور انسان بالخصوص مسلمان کے کھانے پینے میں واضح فرق ہونا چاہئے۔ حیوان کومالک اور غیر کے چارے میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ کسی ضابطے کا پابند ہے۔جبکہ انسان کے لئے ایک ضابطہ اور قاعدہ ہے کہ وہ صرف اپنا مال کھا سکتا ہے بلا اجازت دوسرے کا نہیں۔ مسلمان کو اپنا کھانا کھانے کیلئے بھی کچھ ضابطوں کا پابند کیا گیا ہے تاکہ نہ صرف حیوان اور انسان کا فرق ہو بلکہ عام انسان اور مسلمان کے کھانے میں بھی نمایاں فرق پایا جائے۔اسی لئے امت مسلمہ کو ایک سلیقے اور طریقے سے متعارف کروایا گیا ہے تاکہ مسلمان دستر خوان پر بیٹھے ہوئے بھی مہذب اور سلیقہ شعار قوم دکھائی دیں۔

آپ کھانے کے وقت تین انگلیاں استعمال کیا کرتے تھے تاکہ لقمہ چھوٹا لیا جائے۔پھراس طرح جگالی منہ سے باہر دکھائی نہیں دیتی۔ لقمے کا منہ سے باہر نظر آنا پرلے درجے کی بد تہذیبی ہے۔اسلئے لقمہ چھوٹا لیتے ہوئے منہ کو بند رکھنا چاہئے۔ چپاکی مار مار کر کھانا قبیح عمل ہے۔ تہذیب اور قناعت کا تقاضا یہ ہے کہ ہاتھ دھو کر اور اگر ایک سے زیادہ آدمی دستر خوان پر موجود ہوں تو ہر کسی کو اپنے سامنے سے کھانا چاہئے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ؐ سَمِّ اللّٰہَ وَکُلْ بِیَمِیْنِکَ وَکُلْ مِمَّا یَلِیْکَ۔(مشکوۃ)

"رسول اللہؐ نے فرمایا کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھا کیجئے اور کھانا اپنے سامنے سے کھانا چاہئے۔"

اِذَا اَکَلَ اَحَدُ کُمْ فَلْیَذْکُرِاسْمَ اللّٰہِ فَاِنْ نَسِیَ اَنْ یَذْکُرَ اللّٰہَ فِیْ اَوَّلِہٖ فَلْیَقُلْ بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہ۔(ابوداؤد ،ترمذی)

"رسول محترمؐ نے فرمایا کوئی شخص کھانا کھانے کا آغاز کرے تو اسے بسم اللہ

پڑھنی چاہئے۔ اگر وہ ابتدا میں بھول جائے تو یاد آتے ہی اسے یہ الفاظ کہنے چاہئیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهُ وَاٰخِرَهُ۔

"ابتدا اور انتہا اللہ کے بابرکت نام سے۔"

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ اِنْ لَا يُذْكَرُ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ (مسلم)

"رسول معظم ﷺ نے فرمایا جس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کھانے پہ شیطان اپنا حق سمجھتا ہے۔"

آپ ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ متکبر اور مغرور لوگوں کی طرح نہیں بلکہ عاجز اور منکسر المزاج لوگوں کی طرح بیٹھ کر کھانا چاہئے۔ کھانا کھانے کے وقت دونوں پاؤں پر بیٹھنے یا ایک پر بیٹھتے ہوئے دوسرے کو کھڑا رکھنا پسند فرماتے تھے۔ (مسند امام احمد)

تاکہ کھانے والا پیٹ پھیلا کر نہیں سکیڑ کر کھائے اس طرح بسیار خوری سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس بناء پر نبی محترم ﷺ فرمایا کرتے تھے:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ الْكَافِرُ يَأْكُلُ فِيْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ وَالْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِيْ مَعًا وَّاحِدٍ۔ (ترمذی)

"نبی محترم ﷺ نے فرمایا کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے جبکہ مؤمن ایک آنت میں۔"

یعنی مسلمان کو بسیار خوری سے اجتناب کرنا چاہئے۔ پھر آپ ﷺ یہ بھی فرماتے تھے:

بِحَسْبِ ابْنِ اٰدَمَ اُكُلَاتٍ يُقِمْنَ صُلْبَهٗ۔ (ترمذی)

"آدمی کو کمر سیدھی رکھنے کے لئے چند لقمے ہی کافی ہو سکتے ہیں۔"

اگر کوئی اس سے زیادہ کھانا چاہتا ہے تو اس کے لیے بہتر ہے کہ وہ اپنے پیٹ کے تین حصے کرے ایک حصہ کھانے کیلئے، دوسرا پینے اور باقی سانس کی آمد و رفت کے

لئے چھوڑنا چاہئے۔ کیونکہ آپ کا فرمان ہے : کسی برتن کو اس کے کناروں تک بھر دینا اتنا نقصان دہ نہیں جتنا کہ اپنے پیٹ کو لبالب بھر دینا نقصان دہ ہے۔(ترمذی)

اسی طرح چل پھر کر کھانا پینا پسندیدہ انداز نہیں ہے۔ یہ انداز انسانوں کی بجائے حیوانوں سے زیادہ مشابہہ ہے۔ مگر آج اپنے آپ کو مہذب جاننے والے کسی تقریب میں جائیں تو وہ دستر خوان پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں کہ جیسے بڑی مدت سے ایک ایک لقمے کو ترس رہے ہوں۔ کئی دفعہ دھکم پیل اور چھینا جھپٹی سے بڑھ کر اچھا خاصہ ہنگامہ اور چیخ وپکار کا عالم برپا ہو جاتا ہے، کپڑے سالن سے تربتر، پلیٹیں اور بعض دفعہ دیگیں الٹ گئیں، چمچے آندھی کی طرح چلنے لگتے ہیں معمر اور مہذب لوگ حیرت زدہ ہوتے ہوئے یہ تماشۂ بد تمیزی دیکھ کر کچھ کھائے بغیر واپس پلٹ جاتے ہیں۔ میزبان رسوائی اور خفت کی تصویر بنا دانت پیستا رہ جاتا ہے۔ افراتفری کی اس واردات میں دیندار طبقہ ہنگامہ آرائی میں تو شامل نہیں ہوتا لیکن بسیار خوری میں وہ بھی پیچھے رہنا پسند نہیں کرتا۔ ان کے کھانے پینے کے ایسے واقعات زباں زدِ عام ہیں کہ سننے والا ہنسے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اکل و شرب کے بارے میں آپؐ یہ بھی احتیاط روا رکھتے کہ سخت تھکان غسل پھل اور کھانے کے آخر میں پانی پینا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ اسی طرح ایک ہی سانس میں گھٹا گھٹ پانی پینا اچھا نہیں جانا۔ حتیٰ کہ پیٹ کو پانی سے لبالب بھرنے سے بھی سخت اجتناب کیا کرتے۔

چل پھر کر یا کھڑے ہو کر کھانا

کھانے کے علاوہ پھل وغیرہ کھڑے ہو کر کھانے کے ثبوت موجود ہیں لیکن باقاعدہ کھانا کھڑے ہو کر کھانے کا کوئی حوالہ حدیث کی کتب میں ملنا مشکل ہے۔ اسلئے آپؐ کی تہذیب یہی ہے کہ کھانا آرام سے بیٹھ کر کھانا چاہئے۔

آپؐ کی پسندیدہ غذائیں اور مشروبات

کھانے کے سلسلے میں ہر وہ حلال اور پاک چیز نوش فرمائی جو اس زمانے میں

عرب کی پیداوار یا آپؐ کو میسر ہو سکتی تھی۔ تاہم آپؐ کی غذاؤں اور کھانوں میں پسندیدہ چیزیں یہ ہیں :

گوشت

گردن، پائے، دستی کا گوشت اور مچھلی آپؐ بڑی رغبت کے ساتھ تناول فرماتے۔

مشروبات

شہد، دودھ، گرمیوں میں ٹھنڈا پانی، دودھ میں پانی یعنی لسی اور شہد کا شربت بھی نوش جان فرمایا۔

سبزیات

سبزیوں میں کدو نہایت ہی پسند تھا۔ پھلوں میں کھجور، انگور، تربوز، چقندر اور کھیرا بھی کھانے کا ثبوت موجود ہے۔ سالن نہ ہونے کی صورت میں کھجور کے ساتھ بھی آپؐ نے روٹی کھائی۔ اس طرح سرکے کو سالن کا متبادل قرار دیا۔ بہت زیادہ ٹھنڈا یا گرم کھانا یا مشروبات پینے سے اجتناب فرمایا کرتے تھے۔

نعمت کی قدردانی

اکل و شرب کے بارے میں آپؐ مسلسل لوگوں کو ہدایات دیتے کہ برتن کو اچھی طرح صاف کرنا چاہئے کیونکہ کھانا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے آدمی بڑی محنت و مشقت کے بعد اپنے لئے غذا کا انتظام کرتا ہے اس بنا پر اسے ایک ایک ذرے کی قدر کرنی چاہئیے۔ آپؐ کی یہ بھی تلقین تھی کہ اگر کھاتے وقت خوراک کا کوئی جزو نیچے گر جائے اور وہ کھانے کے قابل رہا ہے تو ضرور اٹھا لینا چاہئے۔ اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ حضرت حذیفہؓ رستم کے ساتھ مذاکرات کے دوران کھانا کھا رہے تھے تو ان کے ہاتھ سے ایک ذرہ نیچے گر گیا تو جب وہ اٹھانے لگے تو ان کے ایک ساتھی نے اشارہ کیا کہ ایسا کرنے والا ان کے ہاں معزز تصور نہیں ہوتا تو انہوں نے فرمایا :

اَاَتْرُكُ سُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ؐ لِهٰؤُلَاءِ السُّفَهَاءِ۔(البدایہ و النہایہ)

"کیا میں ان بیوقوفوں کی وجہ سے اپنے آقا و مولیٰ کی تہذیب کو چھوڑ دوں؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

کھانے پر تبصرہ

آپ ؐ کی عادت مبارکہ تھی کہ کھانا کھانے کے بعد اس پر کسی قسم کا منفی تبصرہ نہیں فرماتے تھے۔

مَاعَابَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ؐ طَعَاماً قَطُّ اِنْ اِشْتَهَاهُ اَكَلَهُ وَاِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ ۔(بخاری،مسلم)

"نبی محترم ؐ کسی کھانے میں نقص نہیں نکالتے تھے اگر چاہت ہوتی تو کھا لیتے ورنہ کھانے سے ہاتھ اٹھا لیتے۔"

کھلانے والے کیلئے دعا

آپ ؐ اگر کسی دعوت پہ تشریف لے جاتے تو کھانا کھلانے والے کے لئے برکت کی دعا اور اس کو تحسین سے نوازتے اور فرماتے :

اَللّٰهُمَّ اَطْعِمْ مَنْ اَطْعَمَنَا وَاسْقِ مَنْ سَقَانَا۔(مشکوٰۃ)

"الٰہی میزبان کو اور عطا فرمایئے کیونکہ اس نے ہمیں کھلایا اور پلایا ہے۔"

حرام و حلال کی تمیز

دین کے مرکزی اور بنیادی مسائل میں حلال و حرام کے مسئلے کو کلیدی حیثیت حاصل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ خورد و نوش کے معاملات میں حرام و حلال کے ضابطوں کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ جن الفاظ سے انبیاءِ کرام ؑ کو مخاطب کیا گیا اسی انداز میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ اگر تم میری اطاعت اور عبادت کرنے والے ہو تو تمہیں لقمۂ حلال کھانا ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ۔(المومنون ۵۰)

"اے انبیاء کی جماعت حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو جو کچھ تم اعمال کرو

گے میں ان سے اچھی طرح واقف ہوں"

يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْاكُلُوْامِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْالِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔(البقرہ ۱۷۱)

"اے صاحب ایمان حضرات !جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں عطا کی ہیں انہیں کھاؤاور نیک عمل کروجو بھی تم عمل کروگے میں انہیں جانتاہوں۔"

کھانے کے بعد دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ جَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔(ابو داؤد ، ترمذی)

"ہر قسم کی تعریف اس اللہ کیلئے ہے جس نے ہمیں کھانے اور پینے کے لئے عطا فرمایاہے۔اے اللہ ! ہمیں ہمیشہ اپنا تابعدار بنائے رکھنا۔"

☆☆☆

☆ کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے چاہئیں اور بسم اللہ پڑھتے ہوئے اپنے

☆ سامنے سے دائیں ہاتھ کے ساتھ کھانا کھانا چاہئیے۔

☆ لقمہ چھوٹا لیجئے تاکہ جگالی منہ سے باہر دکھائی نہ دے۔

☆ چپاکی مار کر کھانا سنت کے بر خلاف ہے۔

☆ کھانے اور مشروبات میں پھونکنا جائز نہیں۔

☆ سخت تھکان، غسل، پھل اور کھانے کے بعد پانی پینا بہتر نہیں۔

☆ دعوت کھانے کے بعد شکریہ ادا کرتے ہوئے بہتر تبصرہ کیجئے۔

☆ اول آخر دعا پڑھنا نہ بھولئیے۔

☆ آرام وطعام میں توازن قائم کیجئے۔

☆ بسیار خوری کفار کا طریقہ ہے۔

حفظان صحت کے اصول

انسانوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنا مشکل ہی نہیں نا ممکن ہے کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے :

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا o(النحل۱۸)

"اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو تمہارے بس کی بات نہیں۔"

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ایمان وایقان کی دولت ہے اس کے بغیر انسان حیوان سے بھی کمتر ہو جاتا ہے۔ایمان کی سلامتی اور حسن کردار کی نعمت کے بعد سب سے بڑی نعمت صحت و تندرستی ہے۔جس کے بغیر انسان دین ودنیا کا کوئی کام بھی اچھے طریقے سے انجام نہیں دے سکتا۔اسی کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے آپؐ کا یہ ارشاد گرامی ہے :

بیماری سے پہلے صحت و تندرستی کو اللہ تعالیٰ کا گرانقدر تحفہ سمجھنا چاہیئے۔

اسی لئے آپؐ نے عبادت وریاضت میں اعتدال و توازن کا حکم دیا ہے۔اپنے زمانے کے بہت ہی نیک سیرت نوجوان حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو فرمایا تھا :

تجھ پر تیری آنکھ ، جسم اور اہل و عیال کے حقوق ہیں جس کی نگہداشت ہر صورت میں تجھ پر لازم اور ضروری ہے۔(مشکوٰۃ)

آپؐ فرمایا کرتے تھے :

اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَعِیْفِ ۔(مسلم)

"کمزور مومن سے صحت مند مومن بہر حال بہتر ہے۔"

صحت کی حفاظت کیلئے آپؐ لوگوں کو صرف بسیار خوری سے بچنے کی ہی تلقین نہیں کرتے تھے بلکہ مسلسل بھوکا رہنے سے بھی آپؐ نے لوگوں کو منع فرمایا۔ایک دفعہ آپؐ

کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ روزہ داری اور آپؐ کی اتباع کے شوق میں صحابہ کرامؓ نے مسلسل روزے رکھنے شروع کر دیئے ہیں۔ جس سے صحابہؓ کی صحت پر منفی اثرات مرتب ہوئے تو آپؐ نے مسلسل نفلی روزے رکھنے سے یہ کہہ کر روک دیا کہ آپ میری طرح متواتر روزہ نہ رکھا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی۔ (مسلم)

اس سے آپؐ کی مراد یہ تھی کہ جو روحانی قوتیں مجھے عطا فرمائی گئی ہیں وہ نبی کے علاوہ کسی کا حصہ نہیں ہو سکتیں۔

ایسا ہی ایک اور واقعہ آپؐ کے سامنے آیا۔ دو بھائی نبی اکرمؐ کی خدمت میں پیش ہوئے یہ دونوں مسلمان ہو کر اپنے علاقے کی طرف لوٹ گئے۔ جب اگلے سال آپؐ کی خدمت میں پیش ہوئے تو آپؐ نے ایک کو پہچان لیا۔ جبکہ دوسرے ساتھی کو پہچاننے میں آپؐ کو دقت ہوئی۔ دوران گفتگو آپؐ نے حسب عادت مبارکہ اس کا تعارف لینا چاہا تو وہ عرض کرنے لگے: حضرت پچھلے سال میں اسی بھائی کے ساتھ آپؐ کی خدمت میں پیش ہوا تھا تو آپؐ نے فوراً فرمایا کہ اس وقت تو آپ کی صحت قابل رشک تھی۔ اب آپ بہت کمزور نظر آرہے ہو کیا کوئی بیماری یا صدمہ لاحق ہوا تھا جسکی وجہ سے اتنے نحیف نظر آرہے ہو۔ تو اس نے کہا کہ آپؐ سے رخصت ہونے کے بعد سال بھر روزے کی حالت میں رہا ہوں۔ جس کی وجہ سے میری صحت پہلے جیسی نہیں رہی۔ تو مشفق و مہربان آقا نے فرمایا: ایسا نہ کیجیئو۔ مہینے میں جو شخص تین روزے رکھتا ہے رب کی بارگاہ میں اسے پورے مہینے کا ثواب عطا کیا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

بیماری کی وجوہات

مسلمانوں میں عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ بیماری اللہ تعالیٰ کی طرف سے لاحق ہوتی ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا تعلق ہے اس میں

ذرہ برابر بھی شک کی گنجائش نہیں کہ ہر کام ابتداء سے انتہاء تک اللہ کے اختیارات میں ہے۔اس کی اجازت کے بغیر ایک پتہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔

وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَمَاتَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَ رْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۔(الا نعا م ۵۷)

''اللہ تعالیٰ ہی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں اس کے بغیر کوئی نہیں انہیں جانتا۔بحر وبر میں جو کچھ بھی ہے وہ اس کے علم میں ہے اور جو پتہ بھی گر تا ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتے ہیں اور زمین کی تاریکیوں میں بیج اور کوئی خشک وتر چیز ایسی نہیں جو اس کے علم (کتاب مبین) میں نہ ہو۔''

مگر بنیادی طور پر یہ اصول اس طرح ہے نیکی اور خیر محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا ثمرہ ہے۔ جبکہ بیماری اور نقصان انسان کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں برائی اور نقصان کو انسان کی غلطیوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ o(الشوری ۳۰)

''جو بھی تمہیں مصیبت آتی ہے وہ تمہارے ہی کردار کا نتیجہ ہے۔ جبکہ ہم بہت سی باتوں کو صرف نظر کر دیتے ہیں۔''

اسی عقیدے کی وضاحت کرتے ہوئے سیدنا ابراہیمؑ نے یہ الفاظ استعمال فرمائے تھے :

الَّذِىْ هُوَ يُطْعِمُنِىْ وَيَسْقِيْنِ o وَاِذَامَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ o(الشعرا، ۷۹، ۸۰)

'وہی ذات مجھے کھلاتی اور پلاتی ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں وہ مجھے شفایاب کرتی ہے۔'

اسی اصول کے پیش نظر آپؐ لوگوں کو اخلاق، عزت وناموس اور صحت کے

حوالے سے احتیاط کا حکم دیا کرتے تھے۔ حفظان صحت کے اصولوں کو اس قدر ترجیح اور لوگوں کی صحت کے بارے میں یہاں تک راہنمائی فرمائی کہ ارشاد مبارک ہے: کوئی شخص دھوپ اور سائے کے درمیان نہ لیٹے پھر چلتے ہوئے ایک پاؤں میں جوتا اور دوسرے کو ننگا رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ (مشکوٰۃ)

علاج اور پرہیز آپؐ کی نظر میں

عَنْ اُمِّ الْمُنْذِرِ بِنْتِ قَیْسٍ الاَنْصَارِیَّةِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَ مَعَهُ عَلِیٌّ عَلَی نَاقَةٍ وَلَنَا دَوَالٌ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَاْکُلُ مِنْهَا وَ قَامَ عَلِیٌّ لِیَاْکُلَ فَطَفِقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ یَقُوْلُ لِعَلِیٍّ مَهْ اِنَّكَ مَرِیْضٌ حَتّٰی کَفَّ عَلِیٌّ قَالَتْ وَ صَنَعْتُ شَعِیْراً وَ سَلَقاً فَجِئْتُ بِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَا عَلِیُّ اَجِبْ مِنْ هٰذَا فَهُوَ اَنْفَعُ لَكَ۔ (ابو داؤد)

”ام منذر بنت قیس انصاریہؓ بیان فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ نبی اکرمؐ حضرت علیؓ کے ساتھ ہمارے گھر تشریف لائے تو میرے گھر میں کھجور کے خوشے لٹک رہے تھے تو آپؐ کھڑے ہو کر تناول فرمانے لگے آپؐ کو دیکھ کر حضرت علیؓ نے بھی کھانا شروع کر دیا۔ جناب علیؓ طویل بیماری سے ابھی ابھی کچھ صحت مند ہوئے تھے۔ اس لئے آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ کھجوروں سے آپ کو پرہیز کرنا چاہئے۔ ام منذرؓ کہتی ہیں میں نے جو اور چقندر پکائے ہوئے تھے وہ خدمت میں پیش کئے۔ تو آپؐ نے فرمایا: علیؓ! آپکو یہ کھانے چاہئیں۔“

حفظانِ صحت کے ان اصولوں کی پاسداری کا نتیجہ تھا کہ اس زمانے کا بہت بڑا حکیم حاذق مدینہ طیبہ میں اپنا مطب کھولتا ہے۔ مدت تک اس کے پاس کوئی مریض نہ آیا تو وہ حیران و ششدر ہو کر پوچھتا ہے کہ کیا مسلمان تعصب کی بنا پر مجھ سے علاج نہیں

کرواتے یا وہ بیمار ہی نہیں ہوتے ؟ اسے بتلایا گیا کہ ہمارے رہبر و راہنما نے ہمیں کھانے پینے اور رہنے سہنے کے نئے سلیقوں سے روشناس کرواتے ہوئے فرمایا ہے کہ صبح سویرے اٹھا کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے صبح اٹھنے والوں پر برکات کو لازم فرمادیا ہے۔ رات دن میں پانچ دفعہ مسواک اور وضو میں پھر ہفتہ میں جمعہ کے روز غسل کیجئے اور بھوک رکھ کر کھایئے۔

صحابیؓ کی زبان سے تفصیلات سن کر حکیم پکار اٹھا کہ جس نبی نے اس طریقۂ خورد ونوش سے متعارف کروایا ہے اس کی امت کو واقعتاً صحت منداور تندرست ہونا چاہئے۔"

طب کی دنیا میں ڈاکٹر حضرات طویل تجرباتی سفر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ وقت کی بہت سی بیماریوں کے علاج میں سب سے ممد و معاون اصول یہ ہے کہ لوگ تکرار و بسیار خوری سے پرہیز کریں۔ جب کچھ بھوک باقی ہو تو کھانے سے ہاتھ اٹھالیں۔

ایک دفعہ حضرت سعدؓ بیمار ہوئے تو انہیں یوں ہدایت فرمائی :

عَنْ سَعْدٍ قَالَ مَرِضْتُ مَرَضاً اَتَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَعُوْدُنِیْ فَوَضَعَ یَدَہُ بَیْنَ ثَدَیَیَّ حَتّٰی وَجَدْتُ بَرْدَھَا فِیْ فُؤَادِیْ فَقَالَ اِنَّکَ رَجُلٌ مَفْؤُدٌ اِئْتِ الْحَارِثَ بْنَ کَلْدَۃَ اَخَا ثَقِیْفٍ فَاِنَّہُ رَجُلٌ یَتَطَبَّبُ فَلْیَاْخُذْ سَبْعَ تَمَرَاتٍ مِنْ عَجْوَۃِ الْمَدِیْنَۃِ فَلْیُجَاھُنَّ بِنَوَاتِھِنَّ ثُمَّ لِیَدُلُّکَ بِھِنَّ۔ (ابو داؤد)

حضرت سعدؓ ذکر کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ بیمار ہوا تو نبی اکرمؐ میری تیمارداری کیلئے تشریف لائے۔ آپؐ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا۔ آپؐ کے ہاتھ کی ٹھنڈک میرے دل تک پہنچی۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: آپ دل کے مریض ہیں آپ کو حارث بن کلدہ جو قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان سے علاج کروانا

چاہئے اور انکو چاہئے کہ وہ سات عجوہ کھجوروں کو گٹھلیوں سمیت پیس کر آپ کو کھلائیں۔

نیم حکیم خطرہ جان سے بچنے کا حکم

"اسی طرح ایک صحابیؓ بیمار ہو گئے۔ان کے علاج کے لئے اس زمانے کے دو طبیب آئے۔آپؐ بھی موقعہ پر موجود تھے۔آپؐ نے دونوں سے کہا کہ تم دونوں میں سے جس کا تجربہ زیادہ ہے وہ علاج کرے۔کیونکہ آپؐ کا ارشاد ہے کہ :اگر کسی نیم حکیم کی وجہ سے کوئی مر گیا تو اس کی موت کا ذمہ دار وہ ڈاکٹر یا حکیم ہو گا۔

اَیُّکُمَا اَطَبَّ مِن طَبَبٍ وَھُوَلَا یَعرِفُ طِبٌ" ھُوَ ضَامِن"۔(ابوداؤد)

صحت کے لئے آپؐ کی دعائیں

صحت و تندرستی آپؐ کی نگاہ میں گرانقدر اور اتنی عزیز تھی کہ آپؐ صبح شام دعائیں کیا کرتے :

اَللّٰھُمَّ عَافِنِیْ فِیْ سَمْعِیْ ،اَللّٰھُمَّ عَافِنِیْ فِیْ بَصَرِیْ ،اَللّٰھُمَّ عَافِنِیْ فِیْ بَدَنِیْ لَااِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ ۔(مشکوٰۃ)

"اے اللہ ! میرے کان ،آنکھ اور جسم کو سلامت رکھنا۔آپ کے بغیر کوئی انکی حفاظت نہیں کر سکتا۔"

☆☆☆

☆ صحت اللہ تعالی کا عطیہ اور بیماری بد پرہیزی کا نتیجہ ہے۔

☆ صحت کی حفاظت اور تندرستی کیلئے دعا کیجئے۔

گھر کے آنگن میں آپؐ کے اوقات

عام طور پر آپؐ نے اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔ ایک پبلک کے لئے ،دوسرا ذکر و اذکار کیلئے اور باقی وقت گھریلو معاملات کے لئے وقف فرما رکھا تھا۔ اسلام جس معاشرے کا خواہاں اور تہذیب کا طلب گار ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ معاشرے کی اکائی کو درست اور صحیح خطوط پر استوار کیا جائے کیونکہ جس عمارت کی ابتدائی اینٹیں پختہ نہ ہوں اس کے استحکام اور مضبوطی کی ضمانت دینے کیلئے کوئی تیار نہیں ہوتا۔ دریا کی طوفانی موجوں کا وہی پشتہ مقابلہ کر سکتا ہے۔ جس کی بنیاد مضبوط اور قابل اعتماد ہو اسی پر معاشرے کو قیاس کرنا چاہئے۔ گھر کا ماحول جس قدر خوشگوار اور اچھی روایات کا امین ہوگا۔ اسی کا عکس معاشرے پر دکھائی دے گا۔

جس گھر میں ماں ،باپ اخلاقیات سے تہی دامن ہوں اللہ کی قدرت اپنا رنگ دکھائے تو الگ بات ورنہ اولاد کا ماں باپ کی سطحی عادات کو قبول کرنا بدیہی اور فطری امر تصور کیا جانا چاہئے۔ آپؐ کا یہ ارشاد آداب مجلس کے عنوان میں پہلے ذکر ہوا ہے جس میں آپؐ نے فطرت کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا:

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ اَوْ يُنَصِّرَانِهِ اَوْ يُمَجِّسَانِهِ۔ (مشکوٰۃ)

"ہر پیدا ہونے والا نونہال فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے یہ تو اس کے ماں باپ کے اثرات ہیں کہ وہ نومولود بڑا ہو کر یہودی، عیسائی یا مشرک بن جائے۔"

گھر کے ماحول کو ٹھیک رکھنے کیلئے میاں بیوی کے تعلقات کو حسنِ اخلاق کی معراج قرار دیا گیا۔

ایک موقع پر مدینے کی کچھ عورتیں جمع ہو کر آپؐ کے گھر آئیں معلوم ہوا

یہ خواتین اپنے خاوندوں کی سختی اور ترش روئی کی شکایت کر رہی ہیں آپؐ نے اسی وقت صحابہؓ کو جمع کر کے فرمایا :

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ۔

"تم میں سے بہترین اخلاق کا حامل وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ بہترین سلوک کرتا ہوں۔"

شاید یہ اس لئے تھا کہ کوچہ وبازار میں اگر کوئی شخص دوسرے کے ساتھ بد خلقی کا مظاہرہ کرتا ہے تو غالب امکان ہے کہ اسے اس کے رد عمل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مگر گھر میں اطاعت شعار بیوی، پیاری بیٹیاں اور تابع فرمان بیٹوں سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی۔ اسلئے انسان کے حقیقی اخلاق کا ایسے ہی موقع پر پتہ چلتا ہے جب اس کے سامنے ہاتھ اٹھانے اور بولنے والا نہ ہو۔

آپؐ دنیا اور آخرت کی کامیابی اور سرفرازیوں، پھر ہمہ جہت مصروفیات اور مسائل کے باوجود نارمل حالات میں گھر والوں کے لئے وقت ضرور نکالتے۔ جس میں بچوں کے ساتھ پیار، اہل خانہ کے ساتھ مشاورت اور خانہ داری کے امور میں برابر شریک ہوتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ جب میکے تشریف لاتیں، وہ گھر میں داخل ہوتیں تو آپؐ اٹھ کر استقبال فرماتے اور مرحبا کہتے ہوئے محبت کا اظہار فرماتے۔ حضرت حسنؓ اور حسینؓ سے پیار کا اظہار کرتے ہوئے گلے لگاتے اور کندھوں پر اٹھاتے ہوئے فرماتے : یہ میرے دو سوار ہیں۔ چہرہ چومتے ہوئے فرمایا کرتے :

ھُمَا رَیْحَانَتَایَ مِنَ الدُّنْیَا۔ (بخاری کتاب المناقب)

"حسن حسینؓ میرے لئے دو مہکتے ہوئے پھول ہیں۔ ان کی مہک سے

میرا دل ودماغ معطر ہو جاتے ہیں۔اورانکی والدہ ؛

اَلْفَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِنِّیْ۔(بخاری کتاب المناقب)

فاطمہؓ میرے جگر کا حصہ ہیں۔"

ایک دفعہ منبر پر لوگوں سے خطاب فرمارہے تھے کہ حسنؓ حسینؓ اچھلتے کودتے منبر کی طرف بھاگے آرہے تھے۔آپؐ بے ساختہ نیچے اترے دونوں کو سینے سے لگایااور پھر فرمایاکہ اللہ تعالیٰ کاارشادبر حق ہے :

بے پناہ دینی، سیاسی، سماجی، ذاتی، ملکی اور بین الاقوامی مصروفیات کے باوجودآپؐ نے گھریلوزندگی کے تناظر میں ایسے شفقت آمیز اور دلرباواقعات امت کے سپرد کئے ہیں کہ جس وقت فرصت ہو،چاہے دینی، سماجی اور سیاسی طور پر وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، اسے ساتھیوں خاص کر گھر کی چاردیواری میں پروٹوکول سے بے نیاز ہوکر بچوں کے ساتھ پیار اور گھر والوں کے ساتھ گھل مل کر رہنا چاہئے۔تاکہ گھر کاماحول گلشن وباغیچے کی طرح مہکتارہے۔

جناب ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا مسلمانوں میں ایمان کے لحاظ سے وہ شخص زیادہ کامل ہے جس کا اخلاق بہتر ہے اور پھر تم میں اچھے اور بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں سے اچھاسلوک کریں۔(ترمذی شریف)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کُنْتُ اَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ وَکَانَ لِیْ صَوَاحِبُ یَلْعَبْنَ مَعِیْ فَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا دَخَلَ یَنْفِرْنَ مِنْہُ فَیُسَرِّبُھُنَّ اِلَیَّ فَیَلْعَبْنَ مَعِیْ۔(بخاری ، مسلم)

حضرت عائشہؓ اپناواقعہ بیان کرتی ہیں کہ جب میں نکاح کے بعد آپکے گھر حاضر ہوئی تو ابتدائی ایام میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھلونوں سے کھیلا کرتی

تھی۔ایک دفعہ جب آپؐ گھر تشریف لائے تو ہم کھیل رہی تھیں۔آپؐ کو دیکھ کر میری سہیلیاں گھر میں اِدھر اُدھر چھپ گئیں تو آپؐ نے انہیں فرمایا کہ چھپنے کی بجائے جاؤ اور اپنا کھیل جاری رکھو۔"

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا كَانَتْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِؐ فِیْ سَفَرٍ قَالَتْ فَسَابَقْتُهُ فَسَبَقْتُهُ عَلَى رِجْلِیْ فَلَمَّا حَمَلْتُثُمَّ سَابَقْتُهُ فَسَبَقَنِیْ قَالَ هٰذَا بِتِلْكَ السَّبِقَةِ۔(ابوداؤد)

"حضرت عائشہؓ (سفر کے دوران ہونیوالا واقعہ) بیان کرتی ہیں کہ ایک سفر میں میرا اور نبی اکرمؐ کا آپس میں دوڑ کا مقابلہ ہوا تو میں دوڑ میں آپؐ سے آگے نکل گئی پھر دوسری مرتبہ جب میرا جسم کچھ بھاری ہو گیا تھا تو آپؐ مجھ سے آگے نکل گئے اور فرمایا کہ یہ پہلی دوڑ کا جواب سمجھئے۔"

اہل خانہ کی ذمہ داریاں

گھر کا ماحول یکطرفہ طور پر ہموار اور خوشگوار نہیں رہ سکتا جب تک بیوی اور بچے سربراہ گھرانہ کا احترام اور خیال نہیں رکھیں گے۔اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ایسی سمجھ دار اور ہونہار پیاری بیٹیاں عنایت فرمائیں تھیں جو آپؐ پر ہر لمحہ فدا اور جانثار ہوا کرتی تھیں مکہ معظّمہ میں کفار نے جب سجدے کی حالت میں آپؐ کی گردن پر اونٹ کی گندی اوجھڑی رکھی تھی حضرت فاطمہؓ کم سنی اور خطرناک حالات میں اپنی ننھی منی جان کی پرواہ کئے بغیر اپنے پاپا کی حفاظت کے لئے دوڑتی ہوئی پہنچیں۔روتے ہوئے بڑی مشکل سے اوجھڑی اتاری جس کی پاداش میں ابو جہل نے انتہائی کمینگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت فاطمہؓ کے رخسار اطہر پر تھپڑ مارا تھا۔حضرت خدیجہؓ کی غمخواری اور ہمدردی اس انتہا پر پہنچ چکی تھی کہ آسمان سے حضرت جبریل امینؑ محترمہ کے لئے

اللہ تعالیٰ کی طرف سے السلام علیکم کا تحفہ لے کر حاضر ہوئے تھے۔آپؐ تاحیات ان کی جانثاری، ہمدردی اور تعاون کو نہیں بھول سکے تھے ازواج مطہرات میں حضرت عائشہؓ عمر کے اعتبار سے چھوٹی ہونے کے باوجود آپؐ کے ساتھ اخوت، محبت اور عقیدت واحترام کا عالم یہ تھا کہ کسی عزیزہ نے ان کے ہاں کھانے کے لیے تحفہ بھیجا کئی دن بھوکی ہونے کے باوجود انہوں نے اللہ کے نبیؐ کے لئے سنبھال کے رکھ چھوڑا۔جب آپؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو نبی اکرمؐ نے فرمایا۔عائشہؓ!آپ نے کئی روز سے سیر ہو کر نہیں کھایا۔ یہ تمہیں خود ہی کھا لینا چاہئے تھا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ آقا!آپ کے بغیر یہ کھانا میرے حلق میں کس طرح اتر سکتا تھا۔

گھر کا ماحول تبھی گلشن وباغیچے کی طرح مہک سکتا ہے جب بیوی اور بچوں کی طرف سے سربراہ گھر کے ساتھ ایسی محبت کا مظاہرہ کیا جائے۔

☆☆☆

☆ گھر کا ماحول خوشگوار رکھنا اعلیٰ اخلاق کی نشانی ہے۔

☆ اہل خانہ کے ساتھ درگزر اور معافی کا رویہ اپنانا چاہے۔

☆ بچوں کو سب سے زیادہ محبت ماں باپ کے ساتھ کرنی چاہے۔

اندازِ تجارت اور مزدور کا تحفظ

انبیائے کرامؑ دین کی ترویج واشاعت اور عوام الناس کی خدمت کرتے ہوئے لوگوں پر بوجھ بننے کی بجائے سیلف میڈ (self made) ہوا کرتے تھے۔ وہ تمام کوشش اور کاوش کے بدلے لوگوں سے ایک دمڑی کے بھی روادار نہیں تھے۔ وہ تو برملا فرمائے جاتے تھے کہ ہم اس دینی اور عوامی خدمت کے صلہ میں آپ سے ایک پیسے کے بھی طلبگار نہیں سورۃ الشعراء میں حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کا تذکرہ کرتے ہوئے ہر پیغمبر کی زبان اطہر سے ان الفاظ کا تذکرہ موجود ہے:

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (الشعراء ۱۰۹)

"میں آپ سے اس خدمت کا کوئی بدلہ نہیں چاہتا۔ بلکہ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے اجر کا طلب گار ہوں۔"

وہ تو اپنی ذات اور عیال پر صدقہ وزکوٰۃ اور ہر قسم کے معاوضے کو حرام تصور کرتے تھے۔ بے پناہ مصروفیات اور گوناں گوں مشکلات کے باوجود اپنی معاش کا خود انتظام کرتے۔ یہاں تک انکی معاشی زندگی میں بھیڑوں کی گلہ بانی کے واقعات بھی پائے جاتے ہیں۔ اسی روایت اور اصول کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے نبی اکرمؐ نے نبوت کے بعد بھی ایک وقت تک تجارت کا سلسلہ جاری رکھا۔ جبکہ نبی ہونے سے پہلے آپؐ مضاربت کی بنیاد پر حضرت خدیجہؓ کی تجارت میں بھرپور حصہ لے رہے تھے۔ تھوڑے ہی عرصے میں آپؐ ایک بین الاقوامی تاجر کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔ آپکی دیانت و امانت اور کاروباری فہم وفراست سے متاثر ہو کر عرب کی عظیم اور امیر ترین خاندانی عورت حضرت خدیجہؓ نے نکاح کی پیش کش کی جسے آپؐ نے اپنے بزرگوں کی مشاورت اور شرکت سے قبول فرمایا۔ کاروبار اور منڈی میں اصلاحات جاری کرتے ہوئے تجارت کی دنیا میں آپؐ نے تاجروں کو نئی روایات اور

اصولوں سے متعارف کروایا۔ اس سے پہلے کاروباری اور تاجر لوگ کسی اخلاقی اور انسانی ہمدردی کی پرواہ کئے بغیر پیسے پر پیسہ کمانے کے اصول پر کاروبار کر رہے تھے۔آپؐ نے کاروبار میں انسانی ہمدردی اور اخلاقی قدروں کو مقدم رکھنا لازم قرار دیا۔ تجارت کے مال میں ملاوٹ کو ملت اور انسان دشمنی قرار دیتے ہوئے فرمایا: جس نے آج کے بعد ملاوٹ کی وہ ہماری جماعت میں تصور نہیں کیا جائیگا۔ کیونکہ ملاوٹ کرنے والا تول میں اضافے اور ملاوٹ کے ذریعے قیمت دوگنی تگنی کرنے کے ساتھ ناقص خوراک کے سبب لوگوں کی صحت کی خرابی اور بعض اوقات بالواسطہ ان کی موت کا سبب بنتا ہے۔بازار اور منڈی کے حالات درست رکھنے کے لئے بعض اوقات آپؐ بنفس نفیس منڈی میں جاکر تجارت کا جائزہ لیتے۔اسی سلسلے میں ایک دن آپؐ منڈی تشریف لے گئے۔ تو اچانک آپؐ نے اپنی آستین کو اوپر کرتے ہوئے غلے کے ایک ڈھیر میں ہاتھ داخل کیا۔ جس کو جناب ابو ھریرہؓ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ عَلٰی صَبُوْرَةِ طَعَامٍ فَاَدْخَلَ یَدَهُ فِیْهَا فَتَالَتْ اَصَابِعَهُ بَلَلاً فَقَالَ مَاهٰذَا یَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟ فَقَالَ اَصَابَتْهُ السَّمَاءُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِؐ! قَالَ اَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتّٰی یَرَاهُ النَّاسُ۔مَنْ غَشَّ فَلَیْسَ مِنَّا۔(مسلم)

"حضرت ابو ھریرہؓ ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ ایک دفعہ منڈی میں تشریف لے گئے تو آپؐ نے غلے کے ایک ڈھیر میں ہاتھ داخل کیا تو آپ کو نم محسوس ہوا۔اب آپؐ نے دوکاندار سے پوچھا یہ تری کیسی ہے۔وہ تاجر کہنے لگا کہ بارش کی وجہ سے اوپر کا غلہ بھیگ گیا تھا میں نے غلہ اوپر نیچے کر دیا۔آپؐ نے فرمایا کہ یہ گیلا مال اوپر رہنا چاہئے تھا تاکہ خریدنے والے اس کو دیکھ سکتے۔ جس نے ملاوٹ کا مال فروخت کیا وہ ہم میں سے شمار نہیں کیا جائے گا۔"

اس کے برعکس نیک اور دیانت دار تاجر کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے فرمایا:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ یَکُوْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَاءِ۔(مشکوۃ)

"سچ بولنے والا تاجر قیامت کے دن انبیآء صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔"

اخلاقی قدروں کا احیاء کرتے ہوئے آپؐ نے تاجروں کو تلقین فرمائی کہ جھوٹی قسمیں اٹھانے سے پرہیز کیا جائے کیونکہ اس سے بظاہر تجارت میں اضافہ ہو جاتا ہے لیکن برکت اٹھالی جاتی ہے۔اسی طرح ناپ تول میں کمی کو سنگین جرم قرار دیااور قرآن حکیم کے حوالے سے اہل مدین کی تباہی کا مرکزی سبب اوزان میں عدم توازن قرار دیا گیا ہے :

اَوْفُوا الْکَیْلَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ o(الشعراء۱۸۱)

"ماپ تول پورا رکھو ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔"

اور آگے چل کر فرمایا :

فَکَذَّبُوْہُ فَاَخَذَھُمْ عَذَابُ یَوْمُ الظُّلَّۃِ o(الشعراء۱۸۹)

"جب انہوں نے انکار کر دیا تو ان کو "بادل" کے عذاب نے گھیر لیا۔"

پھر آپؐ نے مالک اور مزدور کے معاملات کو درست کرنے کیلئے فرمایا : جو ملازم اپنی ڈیوٹی صحیح ادا کرتے ہوئے نماز اور دینی امور کا خیال رکھتا ہے محشر کے روز اسے ڈبل اجر سے نوازا جائیگا۔اور مالک کو مزدور کے حقوق کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ طے شدہ مزدوری سے زیادہ کام لینے کی کوشش نہ کی جائے۔اور اسکا پسینہ خشک ہونے سے پہلے معاوضہ ادا کر دینا چاہئے۔غلاموں کے بارے میں وہ انداز اختیار فرمایا جس سے غلامی کی زنجیر کی ایک ایک کڑی ٹوٹتی اور کھلتی چلی گئی۔آپؐ فرمایا کرتے تھے یہ تمہارے بھائی ہیں انکی عزت واحترام کا خیال رکھتے ہوئے جیسا خود کھاؤ ویسا ہی انہیں کھلایا اور پہنایا کرو۔اس ماحول کا نتیجہ یہ نکلا کہ غلامی چند ہی سالوں میں اپنے اختتام تک پہنچ گئی۔یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے گو اسلام کی اس عظیم خدمت کی وجہ سے لوگ غلامی کی زندگی سے نجات

پا چکے ہیں۔ لیکن وہ خاندانی ملازم جو سالہا سال یا نسل در نسل آپ کی خدمت کر رہے ہیں۔ ان کے حقوق بھی غلاموں کی طرح پورے کرنے کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ کیونکہ چوبیس گھنٹے آپ کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے وہ کوئی دوسرا کام نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان کے بچوں تعلیم اور دیگر ضروریات کا خیال رکھنا چاہیئے۔

مزدوروں کی عزت اور حق خدمت کا تحفظ

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِخْوَانُکُمْ جَعَلَھُمُ اللّٰہُ تَحْتَ اَیْدِیْکُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللّٰہُ اَخَاہُ تَحْتَ یَدَیْہِ فَلْیُطْعِمْہُ مِمَّا یَاْکُلُ وَلْیَلْبَسْہُ مِمَّا یَلْبَسْ وَلَا یُکَلِّفُہُ مِنَ الْعَمَلِ مَا یَغْلِبُہُ اِنْ کَلَّفَہُ مَا یَغْلِبُہُ فَلْیُعِنْہُ عَلَیْہِ۔ (بخاری و مسلم)

"حضرت ابو ذر غفاریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا یہ غلام تمہارے بھائی ہیں اللہ نے ان کو تمہارا ماتحت بنادیا ہے اللہ تعالیٰ جس کے زیر دست کسی بھائی کو کرے تو مالک کو چاہئے اس کو وہ کھلائے اور پہنائے جو وہ خود استعمال کرتا ہے۔ اس کے ذمے ایسا کام نہ لگائے جو اس کو کرنا مشکل ہو ایسی صورت میں اسے خود بھی اس کا ہاتھ بٹانا چاہئے۔"

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا صَنَعَ لِاَحَدِکُمْ خَادِمُہُ طَعَامَہُ ثُمَّ جَاءَ بِہِ وَقَدْ وَلِّی حَرَّہُ وَدُخَانَہُ فَلْیَقْعُدْ مَعَہُ فَلْیَاْکُلْ فَاِنْ کَانَ الطَّعَامُ مَشْفُوْھاً قَلِیْلاً فَلْیَضَعْ فِیْ یَدِہِ مِنْہُ اُکْلَۃً اَوْ اُکْلَتَیْنِ۔ (مسلم)

"حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کسی کا خادم اسکے لئے کھانا تیار کر کے لائے تو آقا کو چاہئے کہ اس خادم کو اپنے ساتھ شریک کرے اگر کھانا تھوڑا ہو (یا مہمان وغیرہ ہوں) تو اس کھانے میں سے چند لقمے اسے دے دینے چاہئیں کیونکہ اس نے کھانا پکانے اور بنانے کے وقت دھواں اور گرمی برداشت کی ہے۔"

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرؓ اَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا نَصَحَ لَسَيِّدِهٖ وَاَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهٖ فَلَهٗ اَجْرُهٗ مَرَّتَيْنِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت عبداللہ بن عمرؓ ذکر کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا جب کوئی غلام اپنے آقا کی خیر خواہی اور وفاداری کرتے ہوئے اپنے رب کی عبادت بھی صحیح طریقے سے کرتا ہے تو رب کی بارگاہ میں اسے ڈبل اجر سے نوازا جائیگا۔"

عَنْ ابْنِ عُمَرؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقُوْلُ مَنْ ضَرَبَ غُلَاماً لَهٗ حَدّاً لَمْ يَاْتِهٖ اَوْ لَطَمَهٗ فَاِنَّ كَفَّارَتَهٗ اَنْ يَعْتِقَهٗ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرمؐ سے سنا آپؐ فرماتے تھے کہ جس کسی نے اپنے غلام کو بلاوجہ سزا دی اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دیا جائے۔"

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ آخِرُ كَلَامُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَلصَّلٰوةَ اَلصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْا اللّٰهَ فِيْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۝ (ابو داؤد)

"حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی محترمؐ کا آخری کلام یہ تھا، لوگو! نماز کی پابندی کرتے رہو اور اپنے ماتحتوں کے حقوق کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔" (بخاری)

☆☆☆

☆ جیسا کھاؤ ویسا کھلاؤ۔

☆ دیانتدار تاجر انبیاء کا ساتھی ہوگا۔

☆ ملاوٹ قتل اور امت سے خارج ہونے کے مترادف ہے۔

☆ آپؐ کی وصیت نماز اور ماتحتوں کا خیال رکھنا۔

مسجد سکون اور اطمینان کا خزینہ اور اللہ کی رحمتوں کا مرکز

روئے زمین پر اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ جگہ اور مقام مسجد ہے جس کو ذکر و فکر اور اللہ کے حضور سجدہ گاہ بنایا گیا ہے نبی محترمؐ نے اس ٹکڑا زمین کو اللہ کے باغوں میں سے ایک باغ قرار دیا ہے۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ لوگو! اللہ کے باغوں میں داخل ہو کر خوب سیر ہو کر کھایا کرو۔ لوگوں نے پوچھا اللہ کے باغ کون سے ہیں اور ان میں کھانا پینا کیسا؟ آپؐ فرماتے ہیں: مسجدیں اللہ کا گھر ہیں اور روح کیلئے ذکر و اذکار تازہ پھل کھانے کے مترادف ہیں۔ (مشکوٰۃ)

جس طرح گلشن و باغیچے کو صاف ستھرا رکھا جاتا ہے۔ آپؐ کے فرمان کے مطابق مسجد روح و نفس اور جسم و جان کے لئے روحانی اور خدائی باغ ہیں۔ انہیں تو ہر حال میں پاک صاف اور ستھرا رکھنا چاہئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی تعمیر کرنے والے دو پیغمبروں سے یہی وعدہ لیا تھا کہ میرے گھر کو ہر طرح سے پاک صاف رکھنا۔

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۝ (البقرہ ۱۲۵)

"ہم نے حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ سے وعدہ لیا تھا کہ میرے گھر کو طواف، رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھنا۔"

اللہ کے گھر کی ظاہری صفائی یہ کہ اسے گرد و غبار، جنگ و جدال اور فتنہ و فساد سے پاک رکھا جائے۔ پہلے پارے میں ارشاد ہے کہ جو لوگ مسجدوں کے ماحول کو خراب اور ان میں فتنہ و فساد پیدا کرتے ہیں ان کیلئے مسجدوں میں ایسی کڑی نگرانی کا ماحول اور اخلاقی دباؤ ہونا چاہئے کہ وہ مسجد میں شرارت کرتے ہوئے خوف محسوس کریں۔

مسجدوں میں سکون اور ان میں آنے والے تب ہی ذوق و شوق کے ساتھ آئیں

گے کہ مساجد میں صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ ساتھ پر سکون ماحول پیدا کیا جائے۔ مسجدوں میں بے وجہ گفتگو اور شور و غوغا نمازیوں کے سکون اور عبادت کے ذوق و شوق کو تباہ کر دیتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے مسجد میں دو آدمیوں کو بلند آواز میں باتیں کرتے ہوئے سنا تو ان کو ہلکی سی ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا کہ تم دیہاتی ہو اور تمہیں مسجد کے آداب کا علم نہیں اگر تم مدینے کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سخت سزا دیتا۔(بخاری)

اخلاقیاتِ عالم کا مسلمہ اصول ہے کہ جب کوئی شخص دوسرے کے گھر جائے تو وہ اپنی عزت اور دوسرے کے احترام کی خاطر لڑائی جھگڑے حتیٰ کہ آواز اونچی کرنے سے بھی کتراتا ہے۔ مسجد تو رب ذوالجلال کا گھر ہے۔ اللہ کی سطوت و جبروت اور اس کے گھر کا احترام یہ ہے آدمی ہر اعتبار سے وقار اور سنجیدگی کا مظاہرہ کرے۔ جو شخص اللہ کے گھر کا احترام نہیں کرتا اس کے بارے میں یہ انتباہ ہے:

لَهُمْ خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ۝(البقرہ پ ۱)

"وہ دنیا و آخرت میں ضرور ذلیل و خوار ہو کر رہیں گے۔"

مسجد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی سمع و طاعت کی تربیت گاہ، رحمت خداوندی کا مرکز اور اس کی تجلیات کی جگہ ہے۔ اس لئے یہاں آنے والے کو یہ تعلیم دی گئی کہ مسجد میں دایاں قدم رکھتے ہی اللہ کی رحمتوں کے حصول کے لئے یہ دعا کرتے ہوئے مسجد میں داخل ہونا چاہئے۔

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۝(مشکوٰۃ)

"اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیجئے۔"

نکلتے ہوئے یہ کلمات پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ۔(مشکوٰۃ)

"اے اللہ! میں آپ کے فضل کا طلب گار ہوں۔"

اس رحمت گاہ کی تعمیر اور اسے ہر انداز سے آباد کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اس بشارت سے سرفراز فرمایا ہے:

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَاللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰ خِرِ o(التوبہ ۱۸)

"بے شک مساجد کی تعمیر میں وہی لوگ حصہ لیتے ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔"

فرقہ واریت کا مرکز مسجدیں

اللہ تعالیٰ نے مسجدوں کے قیام کی سب سے بڑی غرض وغایت یہ بیان فرمائی ہے کہ ان میں صرف اور صرف اللہ کی عبادت، اس کی توحید کا پرچار، مسلمانوں کی محبت ویگانگت اور وحدت واتحاد کی علمبردار ہونی چاہئے۔ جس مسجد میں توحید ورسالت اور مسلمانوں کی وحدت کے خلاف تعلیم و تبلیغ دی جارہی ہو ایسی مسجدوں پر انتظامیہ کی گہری نگاہ اور ضرورت پڑے تو زبردست مؤاخذہ ہونا چاہئے۔ اب یہ فیصلہ کرنا تو بہت ہی مشکل ہے کہ کونسی مسجد، مسجدِ ضرار کا درجہ اختیار کر گئی ہے اور اس کو منہدم کر دینا ہی واحد حل ہے۔ نبی اکرمؐ تو براہ راست اللہ کی نگرانی وہدایت میں کام کرتے تھے اس لئے آپ کو ایسی مسجد کو گرانے کا حکم ہوا جس میں امت کے خلاف تخریب کاری ہو رہی تھی۔

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ کُفْرًا وَّ تَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ مِنْ قَبْلُ وَ لَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰی وَاللّٰہُ یَشْہَدُ اِنَّھُمْ لَکٰذِبُوْنَ oلَا تَقُمْ فِیْہِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْہِ فِیْہِ

رِجَالٌ يُحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ o (التوبہ ۱۰۸)

"وہ لوگ جنہوں نے مسجد کو باعث تکلیف، کفر اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ بازی کا ذریعہ اور اس آدمی کیلئے جائے پناہ بنایا ہے جو اللہ رسول سے جنگ کا ارادہ رکھتا ہے ۔اگرچہ وہ قسمیں اٹھا رہے ہیں کہ انکا بھلائی کا ارادہ ہے ۔اللہ گواہی دیتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔ لہٰذا اس مسجد میں کبھی قیام نہ کیجئے۔بلکہ اس مسجد میں تشریف لے جایئے جس کی بنیاد پہلے دن سے ہی تقوی پہ رکھی گئی ہے۔وہاں جانا آپکا بہت ضروری ہے کیونکہ وہاں کے نمازی نہایت ہی پاک باز ہیں اور اللہ تعالی بھی پاک باز لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

مسجد کے روحانی اور نفسیاتی اثرات

مسجد کا ماحول جس قدر پر سکون ، صفائی اور اخلاق کے اعتبار سے صاف ستھرا ہوگا اسی قدر ہی نمازی حضرات کو روحانی اور نفسیاتی فائدہ اور سکون و قرار حاصل ہوگا۔ مسجد میں دل جمعی کے ساتھ بیٹھنا اور فکر و نظر کی یکسوئی کے ساتھ اللہ کا گھر سمجھ کر اس کی بارگاہ میں حاضری کا تصور لئے ہوئے ٹھہرے رہنا بے پناہ روحانی اور نفسیاتی فوائد سے بھرپور عمل ہے۔اس گئے گذرے دور میں کوئی شخص اس نیت وارادے کے ساتھ بیٹھ کر اندازہ کر سکتا ہے کہ جو سکون ، سکون آور گولیوں ، راحت بخش فضاؤں اور طعام و قیام کی لذتوں سے حاصل نہیں ہوتا، وہ اللہ کے گھر میں چند لمحے گذارنے سے اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ آدمی کی بے چینی اور مضطرب طبیعت مین قرار و اطمینان کے جھونکے اس کی طبیعت کو ڈھارس اور اس کی روح کی بہلا رہے ہوتے ہیں۔ اس سکون و اطمینان اور روحانی اثرات کا تسلسل فقط اس دنیا تک ہی نہیں بلکہ اسکے نتائج لامتناہی مستقبل پر اس طرح مرتب ہوں گے کہ محشر کے دن سورج کی شدت و حرارت کی وجہ سے پسینے سے شرابور لوگ تپش اور گرمی کی بنا پر اس طرح دکھائی دیں گے۔ جیسے کوئی بھاری نشہ

استعمال کرنے کے بعد لڑکھڑا رہا ہوتا ہے۔

اس ہولناک موقع پر عرش معلیٰ سے سات قسم کے لوگوں کیلئے اعلان ہوگا۔ کہ یہ لوگ میرے عرش کے سائے میں تشریف لے آئیں ان میں ایک طبقہ وہ ہوگا جو مسجد میں پروقار اور مکمل اطمینان کیساتھ بیٹھا کرتا تھا۔ (مشکوٰۃ)

معاشرتی اور سماجی نتائج و ثمرات

دیکھنے والوں کے لئے یہ سچائی کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ جو افسران یا اثر ورسوخ اور سماجی لحاظ سے بڑے لوگ مسجدوں میں پانچ وقت حاضری کی سعادت سے سرفراز ہوتے ہیں، چند لوگوں کو چھوڑ کر ایسے افسران اور سرکردہ حضرات میں وہ رعونت اور تکبر نہیں پایا جاتا جو مسجدوں سے دور رہنے والے اعلیٰ حکام اور بڑے لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ ایسے افراد تک عوام کی رسائی ہزار پابندیوں کے باوجود آج بھی بہت آسان دکھائی دیتی ہے۔ مسجدوں میں حاضری کی وجہ سے انکے رویہ میں شفقت اور محبت کا پہلو غالب رہتا ہے۔ جب تک اقتدار میں شریک لوگ مسجد میں آیا کرتے تھے اس وقت عوام اور حکام کے درمیان اتنا خلا نہیں تھا۔ اس لئے ہم جس قدر بھی مسجدوں کے ساتھ وابستگی پیدا کریں گے روحانی اور معاشرتی ترقیوں کو پانا ہمارے لئے آسان ہوگا۔

احسان مندی کا فطری اور طبعی تقاضا

انسان کیا آپ حیوان کے ساتھ چند روز پیار اور شفقت کا انداز اختیار کریں تو وہ بھی دم ہلاتا ہوا آپ کے پاؤں چومتا، چاٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ وہ سر جھکا کر اپنے آقا کے قریب تر رہنے کی کوشش کرتا ہے۔

کبھی آپ نے سوچا ہے کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ صرف اس لئے کہ آپ نے اس کے ساتھ احسان مندی اور شفقت کا انداز اختیار کیا ہے جسکی وجہ سے وہ

آپ کے ہاتھ پاؤں چاٹتے ہوئے آپ کے احسانات کا اعتراف کر رہا ہے۔ خالق حقیقی نے انسان کو کن کہہ کر پیدا نہیں کیا بلکہ اپنے دست مبارک سے اس کا خمیر اور ڈھانچہ تیار کرنے کے بعد اسمیں اپنی روح القا فرمائی۔ ہر آن اپنی نعمتوں اور عنایتوں سے اس کے مرتبے کو دوچند کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر انسان ایک پل بھی نہیں گزار سکتا۔ ان انعامات کا طبعی اور فطری تقاضا یہ تھا اور ہے کہ ہم اس کی احسان مندیوں کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی یاد میں مصروف رہیں۔ یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ انسان کا دل اس کی نعمتوں کے شکریئے کے احساس سے لبریز ہو۔ پھر اس کا منطقی نتیجہ ہوگا کہ ہمارے سر اور دل اس کے حضور سر افگندگی کو فرض ہی نہیں اپنے لئے سعادت مندی محسوس کریں گے۔

ذکر و فکر کا بہترین انداز

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ذکر و فکر کا جو انداز بہترین تصور کیا گیا ہے وہ پوری مستعدی کے ساتھ مسجد میں آکر پانچ وقت باجماعت نماز ادا کرنا ہے۔ لیکن افسوس کی انتہا ہو چکی ہے۔ کہ جانور جو انسان کے مقابلے میں عقل و فکر، مرتبہ و مقام اور اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے اعتبار سے اس کے ساتھ کوئی نسبت نہیں رکھتا، وہ اپنے آقا کو دیکھ کر اس کی قدم بوسی کے لئے دوڑتا ہوا آئے مگر آج کا مسلمان اللہ کے حضور پانچ وقت نماز پڑھنے کی فرصت نہیں پاتا یہ انداز پرلے درجے کی ناشکری اور فطرت سے انحراف کی آخری دلیل ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے ایسے شخص کو اللہ کا باغی نافرمان اور متکبر قرار دیا ہے۔ اس کردار کی سزا بے قراری اضطراب، بے چینی تفکرات کا ہجوم، دنیا میں بیماریوں اور پریشانیوں کے ساتھ آخرت میں انتہائی نافرمان اور اللہ کے باغیوں کیساتھ اسکا شمار کیا جائے گا۔ (مشکوۃ)

ذکر و فکر کے انداز اور فائدے

اکثر لوگوں کے ذہن میں ذکر و فکر کا صرف یہی مفہوم سمایا ہوا ہے کہ ذکر کا معنی یہ ہے کہ آدمی زبان سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تعریف کرتا چلا جائے۔ جبکہ دین کے نقطۂ نظر سے ذکر اپنے معانی اور مفہوم میں بڑی وسعت اور کشادگی رکھتا ہے۔ اس کی مختلف صورتیں اور شکلیں متعین کی گئی ہیں۔ فکر و خیالات میں مالک حقیقی کی یاد، رکوع و سجود میں اس کی کبریائی کا اعتراف، صدقہ و خیرات کرتے ہوئے اس کی نعمتوں کا ادراک، گویا کہ ہر حال میں اس کے نام اور صفات کی یاد کو ذکر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ذکرِ لسانی کی صورتیں متعین کرتے ہوئے قرآن و سنت میں اس کی لازمیت کے ساتھ یہ ہدایات جاری کی گئی ہیں کہ ذکر ہر حال میں کرنا چاہئے۔ حضرت عائشہؓ آپؐ کے اذکار کے بارے میں فرماتی ہیں کہ اللہ کے نبیؐ ہر حال میں اپنی زبان کو ذکر الٰہی سے تر رکھتے تھے۔

ذکر کرتے ہوئے خشیتِ الٰہی اور اس کی رحمتوں کا حصول آدمی کی منزل اور پھر ذکر میں تضرع اور اللہ کی بارگاہ میں فکر و نظر کی حاضری کا تصور ہر لمحہ شامل حال رہنا چاہئے جو لوگ ذکر کرتے ہوئے اللہ کی بے پایاں رحمتوں کی طرف توجہ رکھنے کی بجائے اپنی تکلیف اور مشکل کو ذہن پر مسلط رکھتے ہیں ان کو ذکر و فکر کے وہ ثمرات حاصل نہیں ہوتے جو ذکر الٰہی کا بنیادی اور فطری نتیجہ ہیں۔ اس لئے ذکر کا حقیقی انداز یہ ہونا چاہئے کہ ذاکر دنیا میں اللہ کی رحمتوں کی امید کرتے ہوئے آخرت میں بھرپور اجر و ثواب پر یقین رکھتا ہو۔

اوقات

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ o (آل عمران ۱۹۱)

"مومن بیٹھتے، اٹھتے اور لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر اور زمین وآسمان کی تخلیق کے متعلق غور وفکر کرتے رہتے ہیں۔"

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ اَحْيَانٍ o

"رسول اللہؐ ہر وقت ذکر کرتے رہتے تھے"

طریقہ

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ o (الانفال ۲۰۵)

"اپنے رب کا خشوع وخضوع اور خفیہ، آہستہ آہستہ صبح وشام ذکر کرتے رہیں اور اس سے غافل نہ ہوں۔"

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ o (الاعراف ۵۵)

"اپنے رب کا عاجزی اور آہستگی سے ذکر کرتے رہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں فرماتے۔"

دنیاوآخرت کے فوائد

اللہ کی دستگیری کا شرف

فَاذْكُرُوْنِىْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِىْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ o (البقرہ ۱۵۲)

"مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکریہ ادا کرو اور میری نعمتوں کی ناقدری نہ کرو۔"

قلب ونظر کا سکون

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ o

"جو ایماندار ہیں ان کے دل صرف اللہ کے ذکر سے ہی مطمئن ہوتے ہیں۔یادرکھئے اللہ کاذکر ہی دلوں کے لئے اطمینان کاباعث ہے۔" (الرعد۲۸)

دنیامیں کامیابی کی ضمانت

وَاذْكُرُوااللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَo (الجمعه۱۰پ۲۸)

"اللہ کوزیادہ سے زیادہ یادکیاکروتاکہ کامیاب ہوسکو۔"

يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓااِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُواااللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَo (الانفال۴۵)

"اے ایمان والو!جب تم مخالف کے ساتھ پنجہ آزمائی کروتواللہ کوزیادہ سے زیادہ یادکروتاکہ کامیابی تمہارامقدربن جائے۔"

آخرت میں سرخروئی

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّاللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًاo(الاحزاب۳۵پ۲۲)

"اللہ کابہت زیادہ ذکرکرنے والے مرد اور عورتیں،اللہ نے انکے لئے مغفرت اوراجرِعظیم تیارکررکھاہے۔"

ذکرنہ کرنے کے نقصانات

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُواااللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَo(الحشر۱۹پ۲۸)

"ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤجواللہ تعالیٰ کوبھول گئے تواللہ نے انہیں بھلادیا۔یہ نافرمان لوگ ہیں۔"

دل کا سخت ہو جانا

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِاللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَایَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْھِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُھُمْ وَکَثِیْرٌ مِّنْھُمْ فٰسِقُوْنَ o (الحدید ۱۶ پ ۲۷)

کیا ایمانداروں پر وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد اور سچائی کے سامنے جھک جائیں ان کو اھل کتاب کی طرح نہیں ہونا چاہئے۔ جب ان پر ایک عرصہ گزر گیا تو ان کے دل سخت ہوتے چلے گئے اور ان کی اکثریت نافرمان ہو گئی۔

رزق کی تنگی اور برکت کا اٹھ جانا

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکًا وَّنَحْشُرُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَعْمٰی o (طٰہٰ ۱۲۴)

"جو اللہ کے ذکر سے روگردانی کرے گا اس کی معیشت تنگ ہو جائے گی اور وہ روزِ محشر اندھا کر کے اٹھایا جائے گا۔"

آدمیت پہ شیطان کا تسلط

وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِالرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطَانًا فَھُوَلَہٗ قَرِیْنٌ o (الزخرف ۳۶)

"جس نے اللہ کی یاد سے آنکھیں پھیر لیں ہم اس پر شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں۔"

☆☆☆

☆ مسجدیں اللہ کے باغ۔

☆ باغ صاف ستھرے ہی ہوا کرتے ہیں۔

☆ مسجد سے وابستگی اللہ سے محبت کے مترادف ہے۔

اللہ کے حضور معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیجئے

انسانی فطرت و کردار کا ذکر کرتے ہوئے آپ کا ارشاد ہے کہ انسان خطا کا پتلا ہے اور اس سے غلطی کا ارتکاب ہو ہی جاتا ہے۔ مگر انسانیت یہ ہے کہ بندہ بغاوت و سرکشی اور اس پر اصرار کرنے کی بجائے اعتراف و معذرت کا رویہ اختیار کرے۔ اس سے روح پاک اور ضمیر ہلکا ہونے کے ساتھ کردار افکار میں پاکیزگی اور اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

كُلُّ بَنِیْ آدَمَ خَطَّآءٌ وَ خَیْرُ الْخَطَّائِیْنَ التَّوَّابُوْنَ○ (مشکوٰۃ)

"آدم کے ہر بیٹے سے خطا ہو جاتی ہے۔ ان خطاکاروں میں وہ بہتر ہیں جو اللہ کی بارگاہ میں توبہ کر لیتے ہیں۔"

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْظَلَمُوْآ اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ○ (آل عمران ۱۳۵)

"وہ لوگ جب غلطی کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں یا اپنے اوپر کوئی ظلم کر لیتے ہیں تو وہ اللہ کو یاد کر کے اس سے معافی کے طلب گار ہوتے ہیں۔ اللہ ہی معاف کرنے والا ہے۔ جب انہیں غلطی کا علم ہو جاتا ہے تو پھر اس پر اصرار نہیں کرتے۔"

اللہ تعالیٰ سے معافی کی امید ہی نہیں یقین رکھیئے کیونکہ ناامیدی اور مایوسی مومنوں کا نہیں اللہ کے منکروں اور کافروں کا شیوا ہے۔ خدا سے مایوسی پرلے درجے کی گمراہی، آخرت کے لئے تباہ کن اور بسا اوقات دنیا میں خودکشی کا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے گناہ گار بندوں کو اس طرح اطمینان دلاتا ہے کہ اے میرے خطاکار بندو! اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کی طرف نہیں میری رحمتوں اور کرم نوازیوں کی طرف دھیان

رکھو۔ میں تمہارے گناہوں پر خفا تو ہوتا ہوں، صرف اس وقت تک جب تک تم مجھ سے معافی طلب نہیں کرتے۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ o(الزمر ۵۳)

"اے میرے گناہ گار بندو! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوا کرو"

اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے سے کس قدر خوشی ہوتی ہے۔ نبی اکرمؐ نے ایک مسافر کا واقعہ بیان فرمایا کہ وہ دوران سفر چلتے چلتے تھک کر ستانے لگا۔ ابھی سویا ہی تھا کہ اس کی اونٹنی کی نکیل کھل گئی اور وہ جنگل میں غائب ہو گئی۔ مسافر کا سامان بھی اونٹنی پر تھا۔ سامان کیا گیا جان ہی چلی گئی۔ وہ کوشش بسیار کے بعد مایوسی کے عالم میں آنکھیں بند کر کے نڈھال لیٹ جاتا ہے۔ موت وحیات کی فکر مندیوں میں لیٹا ہوا مسافر درختوں کے پتوں کی کھڑ کھڑاہٹ سن کر نیم مردگی کے عالم میں اٹھا تو کیا دیکھتا ہے کہ اونٹنی سامان سمیت اس کے سامنے کھڑی ہے۔ خوشی کے مارے وہ پھولا نہیں سما رہا۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ ساتھیو! بتلاؤ اس کی خوشی کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ مسلمان کی معذرت خواہی پر اس سے کہیں زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ (مشکوٰۃ)

اللہ تعالیٰ سے معذرت جس کو توبہ واستغفار کے نام سے یاد کیا گیا ہے اس کے بارے میں مکہ معظمہ میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو تاریخ عالم میں آج تک رونما نہیں ہوا۔ خدا کے نافرمان مکے کے سردار بیت اللہ کے صحن میں جمع ہو رہے ہیں۔ وہ غیظ وغضب میں اس قدر اندھے ہوئے جا رہے ہیں کہ آگے بڑھ کر کعبۃ اللہ کے غلاف کو جھٹکا دیتے ہوئے رب ذوالجلال کی غیرت کو اس طرح چیلنج کرتے ہیں:

وَاِذْقَالُوْااللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِکَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَۃً مِنَ السَّمَآءِ اَوِائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍo (انفال ۳۲)

"اگر واقعتاً یہ قرآن تیری طرف سے ہے تو پھر آسمان سے ہمارے اوپر پتھر برسنے چاہئیں یا ہمیں المناک عذاب میں گرفتار کر لیجئے۔"

اس واقعہ سے مکے میں کہرام مچ گیا۔ لوگوں کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ عورتیں بے قراری کے عالم میں چیخیں مارتی ہیں۔ ہر سننے والا خوف کے مارے یہ کہتا ہوا سنائی دیتا ہے اب خدا کے غضب سے بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں مگر اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم، فضل و تحمل اور توبہ و استغفار کی برکات دیکھیں۔ عرش معلیٰ سے جواب آتا ہے :

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُم وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَاكَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○ (الانفال ۳۳)

"اللہ تعالیٰ کے ان پر عذاب نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ ان میں استغفار کرنیوالے مسلمان اور آپ کی ذات گرامی بھی موجود ہے۔

توبہ بوجھ نہیں

ماضی کی غلطیوں، گناہوں اور جرائم پر احساس ندامت اور آئندہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کا نام توبہ استغفار ہے۔ انسان کے گناہ کتنے ہی اور کس قسم کے کیوں نہ ہوں اللہ تعالیٰ نہ صرف معاف کرتے ہیں بلکہ خالص توبہ و استغفار کرنے والے کی سابقہ غلطیوں کو حسنات میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔

يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ ○ (الفرقان)

"اللہ گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔"

اس لئے بعض علماء کی یہ بات قرآن و سنت کی فکر کے سراسر خلاف ہے کہ ایک شخص کے تائب ہونے کے باوجود اسے سابقہ روزے اور نمازیں پڑھنے کا حکم یا احتیاط کے طور پر دہرانے کی تلقین کی جائے۔ یہ وہ بار گراں ہے جس کے اٹھانے کا قرآن و سنت میں کوئی

ثبوت نہیں ملتا۔ ایسے علماء کے بیجا فتوؤں اور خود ساختہ فکر کی وجہ سے بے شمار مسلمان توبہ کو بھی بوجھ تصور کرتے ہیں۔ جبکہ توبہ بوجھ اتارنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ بشرطیکہ پورے اخلاص کے ساتھ کی جائے۔

البتہ حقوق العباد ادا کرنے کی ہمت ہو تو پھر ان کو ہر صورت ادا کرنا توبہ کا لازمی حصہ ہے۔ اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ کے حضور عجز و انکساری سے معذرت کرتے رہنا چاہئے۔ سرورِ دو عالمؐ اپنے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں میں شب و روز میں اپنے رب سے ستر مرتبہ توبہ استغفار کرتا ہوں۔ یاد رہے کہ اس زمانے میں عرب معاشرے میں ستر کا ہندسہ انتہائی مبالغے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس لئے آپؐ کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ انسان کو رب کی بارگاہ میں کثرت سے اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگتے رہنا چاہئے۔

استغفار کے الفاظ

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ ○ (المؤمنون ۱۱۸)

"اے اللہ! معاف فرما دیجئے۔ آپ بہترین معاف فرمانے والے ہیں۔"

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْنِیْ۔ (مشکوٰۃ)

"اے اللہ! معاف فرما دیجئے اور رحم فرمائیے۔"

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔ (مشکوٰۃ)

"میں اللہ کی بارگاہ سے ہر گناہ کی معافی مانگتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔"

☆☆☆

☆ توبہ اور استغفار دنیا اور آخرت میں اللہ کے غضب سے محفوظ رہنے کی ضمانت۔

☆ اللہ کے حضور معذرت خواہی انسانیت کا شرف ہے۔

☆ توبہ استغفار سے انسان گناہوں سے پاک اور ضمیر ہلکا ہو جاتا ہے۔

مجلس کے اثرات و ثمرات

ماں باپ کی صحبت کے بعد آدمی پر سب سے زیادہ اثرانداز ہونے والے مجلس وصحبت کے اثرات ہوا کرتے ہیں انسان جس قسم کی مجلس و محفل اختیار کرے گا۔ اسی قسم کے ہی اثرات و نتائج طبع انسانی پر اثرانداز ہونگے۔ یہ اثرات اس قدر برق رفتاری کے ساتھ اانسان کی شخصیت پر مرتب ہوتے ہیں کہ جس کا اندازہ نبی محترمؐ کے اس ارشاد سے لگایا جاسکتا ہے :

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلُ الْجَلِیْسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِیْسِ السُّوْءِ کَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ وَکِیْرِ الْحَدَّادِ لَا یَعْدِمُكَ مِنْ صَاحِبِ الْمِسْكِ اِمَّااَن تَشْتَرِیَهُ اَوْتَجِدَ رِیْحَهُ وَکِیْرِالْحَدَّادِاِمَّااَن یُحرِقَ بَیْتَكَ اَوْ ثَوْبَكَ اَوْ تَجِدُ مِنْهُ رِیْحًاخَبِیْثَةً۔(بخاری)

حضرت ابو موسیٰؓ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ نبی محترمؐ نے فرمایا کہ اچھی بری مجلس کی مثال اس طرح ہے جیسے خوشبو کی دوکان اور لوہار کی بھٹی۔ اگر کوئی شخص پرفیوم بیچنے والے کے پاس بیٹھے گا تو چاہے وہ خریدار نہ ہو اسے خوشبو از خود پہنچ جائے گی اور اسکے مقابلے میں لوہار کی بھٹی کے قریب بیٹھنے والا اگر آگ کی چنگاری سے بچ جائے تو وہ دھویں کے مہلک اثرات سے نہیں بچ سکتا۔

مذکورہ ارشاد کی روشنی میں نتائج کے اعتبار سے مجالس کی دو ہی قسمیں ہو سکتی ہیں ایک وہ جس میں افکار و نظریات کا حسن پایا جائے اور دوسری میں افکار و نظریات کی پراگندگی پائی جائے۔ قرآن حکیم نے اچھی مجالس کو فروغ دینے کے لئے فرمایا :

لَاخَیْرَفِیْ کَثِیْرٍ مِنْ نَجْوٰهُمْ اِلَّامَنْ اَمَرَبِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ وَمَنْ یَفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ

نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًاO(النسآء ۱۱٤)

"لوگوں کی اکثر مجالس میں بھلائی نہیں ہوتی۔ہاں اگر کوئی صدقہ وخیرات کی تلقین، کسی نیکی کے کام یا لوگوں کے معاملات میں اصلاح کرنے کے لئے کسی سے کچھ کہے تو یہ بھلی بات ہے۔"

آپؐ کی مجلس کے اثرات

نبی محترمؐ عام حالات میں سورج طلوع ہونے کے بعد تک مسجد میں تشریف فرما رہتے۔لوگ آپؐ کے سامنے اپنے خواب پیش کرتے جس کی موقع پر تعبیر بیان کر دی جاتی، اسی جگہ آپؐ مقدمات کے فیصلے صادر فرماتے، ایسی ہی نشست میں مال غنیمت تقسیم کیا جاتا اور انہیں مجالس میں لوگ سابقہ زندگی میں ہونے والے جہالت کے واقعات بیان کرتے۔بسا اوقات نبی محترمؐ جہالت کے مضحکہ خیز واقعات سن کر ان پر تبسم فرما کر اپنے جذبات کا اظہار کرتے۔(سیرۃ النبی)

آپؐ کی مجلس کے روحانی اثرات و ثمرات کا یہ عالم تھا کہ جب آپؐ جہنم کی ہولناکیوں کا بیان کرتے تو سننے والے یوں محسوس کرتے جیسے آگ کے انگارے ان کو دبوچنے ہی والے ہیں۔اور جب اللہ تعالیٰ کی بے پناہ رحمتوں اور نعمتوں کا ذکر ہوتا تو مجلس مین بیٹھنے والا ہر شخص ایسے محسوس کرتا ہے جیسے وہ براہ راست جنت کا نظارہ کر رہا ہو۔

وَعَنْ حَنْظَلَةَ ابْنِ الرَّبِيْعِ الْاُسَيْدِيِّ قَالَ لَقِيَنِیْ اَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ اَنْتَ يَاحَنْظَلَةُ قُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَاتَقُوْلُ؟ قُلْتُ نَكُوْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يُذَكِّرُ بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَاَنَّ رَاَی عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَالْاَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا كَثِيْرًا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ فَوَاللّٰهِ اِنَّا لَنَلْقٰى مِثْلَ

هٰذَافَانْطَلَقْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ حَتّٰى دَخَلْنَاعَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ؐوَمَاذَاكَ ؟ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَكُوْنُ عِنْدَكَ تَذْكُرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَانَ رَأْىَ عَيْنٌ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَالْاَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا كَثِيْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلَى مَا تَكُوْنُوْنَ عِنْدِىْ فِىْ الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمْ الْمَلَائِكَةُعَلَى فُرُشِكُمْ وَفِىْ طُرُقِكُمْ۔ (مسلم)

”حضرت حنظلۃ بن ربیع اسیدیؓ کہتے ہیں ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھ سے پوچھا حنظلہ !آپ کیسے ہیں ؟ میں نے کہا کہ میں تو منافق ہو گیا ہوں۔ ابوبکر صدیقؓ فرمان لگے سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جب ہم رسول محترمؐ کی مجلس میں ہوتے ہیں اور آپؐ جنت اور دوزخ کے حالات بیان کرتے ہیں تو ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں اور جب رسولؐ محترم کی مجلس سے جاکر ہم اپنے بیوی بچوں اور کھیتی باڑی میں مصروف ہو جاتے ہیں تو بہت سی باتوں کے اثرات ہمارے ذہن سے نکل جاتے ہیں۔ میں اس کو منافقت پر محمول کرتا ہوں۔ جناب ابوبکرؓ فرمانے لگے واللہ میں بھی اپنے آپکو اسطرح محسوس کرتا ہوں۔ پھر ہم دونوں رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! میں تو منافق ہو گیا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ میں نے عرض کیا کہ جب ہم آپؐ کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپؐ ہمیں جنت اور دوزخ کے حوالے سے نصیحت کر رہے ہوتے ہیں تو ہماری حالت یہ ہوا کرتی ہے کہ گویا ہم براہ راست جنت ودوزخ کو دیکھ رہے ہیں۔ لیکن جب ہم آپؐ کی

مجلس سے جاکر اپنے بیوی بچوں اور کھیتوں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو کئی باتوں کے اثرات ہماری طبیعتوں پر اس طرح باقی نہیں رہتے تب رسول اکرمؐ نے فرمایا اس ذات کبریا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تم ہمیشہ اسی حالت میں رہو جو میرے پاس ہوا کرتی ہے تو ملائکہ تمہارے ساتھ تمہاری راہ گزر حتی کہ تمہارے بستروں پر جاکر تم سے مصافحہ کریں پھر آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا:

وَلٰکِنْ یَا حَنْظَلَةُ !سَاعَةً فَسَاعَةً ثَلَاثَ مَرَّاتٍ

"حنظلہ !ایمان کی کمی بیشی کے بارے میں آدمی کی حالت ایک جیسی نہیں رہتی۔"

مجلسؐ کے آداب

جہاں تک ممکن ہو سکے مجلس کے حلقے کو وسیع کرنا چاہئے تاکہ آنے والا جگہ پانے کے ساتھ مجلس کی طرف سے استقبالیہ انداز بھی محسوس کرے۔ جس سے اس کی حوصلہ افزائی ہو گی۔ بیٹھنے والے کیلئے یہ حکم ہے کہ وہ دو آدمیوں کے درمیان گھسنے کی کوشش نہ کرے بلکہ جہاں جگہ ملے اسے وہیں بیٹھ جانا چاہئے۔ بلا ضرورت مجلس میں نمایاں ہو کر بیٹھنا آپؐ کو ہرگز پسند نہ تھا۔ اسی طرح ہی لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کی بجائے بالکل وسط میں بیٹھنے والے پر ملامت کی گئی ہے۔ مجلس سے کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ لَا یُقِیْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ یَجْلِسُ فِیْهِ وَلٰکِنْ تَفَسَّحُوْا وَ تَوَسَّعُوْا۔ (بخاری)

"حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ کوئی آدمی دوسرے کو اٹھا کر وہاں بیٹھنے کی کوشش نہ کرے۔ اس کی بجائے کشادہ ہو کر ایک دوسرے کو جگہ دینی چاہئے۔"

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ قَامَ مِنْ مَجْلَسِهِ ثُمَّ رَجَعَ اِلَیْهِ فَهُوَ اَحَقُّ بِهِ۔(مسلم)

"حضرت ابو ہریرہؓ ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی ضرورت کے لئے اپنی جگہ سے اٹھ کر جائے جب وہ واپس آئے تو اسے اپنی جگہ پر بیٹھنے کا حق ہو گا۔"

عَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَاتَجْلِسْ بَیْنَ اثْنَیْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا۔(ابوداؤد)

"حضرت عمرو اپنے والد سے اور ان کے والد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص پہلے بیٹھنے والوں کی اجازت کے بغیر ان کے درمیان نہ بیٹھے۔"

مجلس میں آپؐ کا استقبالیہ انداز

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ عَلَی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ فِیْ الْمَسْجِدِ قَاعِدٌ فَتَزَحْزَحَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ الرَّجُلُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فِیْ الْمَکَانِ سَعَةً فَقَالَ النَّبِیُّ اِنَّ لِمُسْلِمٍ حَقًّااِذَا رَأٰی اَنْ یَتَزَحْزَحَ لَهُ۔(رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

"واثلہ بن خطابؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اکرمؐ کے پاس حاضر ہوا آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ رسول محترمؐ اس کو اپنے پاس بٹھانے کے لئے تھوڑے سے کھسک گئے تو اس شخص نے عرض کیا کہ اللہ کے رسولؐ! میرے لئے جگہ تو موجود ہے تب آپ نے فرمایا کہ مسلمان پر لازم ہے کہ جب اس کا بھائی اسکے قریب بیٹھنا چاہ رہا ہو تو اسکے لئے تھوڑا سا کھسک جائے۔"

اور قرآن مجید نے اس کی یوں تلقین فرمائی :

اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ○ (المجادلة پ ۲۸)

''جب تمہیں مجلس میں کشادگی پیدا کرنے کیلئے کہا جائے تو تم فراخی پیدا کرو اللہ تمہیں کشادگی عطا فرمائے گا۔''

پھر مجلس کے کفارے کا تذکرہ کرتے ہوئے تلقین فرمائی کہ مجلس سے اٹھتے وقت اللہ کا ذکر بہر صورت کرنا چاہئے۔

باضابطہ مجالس کی گفتگو کو امانت قرار دیا گیا ہے۔

اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ۔ (مشکوٰۃ)

مجلسیں امانت ہوا کرتی ہیں۔

اپنے لئے استقبالیہ قیام پسند نہ تھا

آپؐ نے اس طریقے کو بھی امت کے لئے مکروہ جانا ہے کہ ایک آدمی اپنی جگہ پر چمٹا رہے اور لوگ اس کے لئے عاجزانہ طور پر سر و قامت کھڑے رہیں۔ اس ہیئتِ کذائی سے آقا و غلام کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح ایک طرف عاجزی اور فروتنی کا اظہار اور دوسری طرف سے غرور و تمکنت کا مظاہرہ ہو رہا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ آپؐ کو یہ بھی پسند نہ تھا کہ آپؐ تشریف لائیں اور لوگ آپؐ کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جائیں۔

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مُتَّكِئاً عَلٰى عَصًا فَقُمْنَا لَهٗ فَقَالَ لَاتَقُوْمُوْا كَمَا يَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ يُعَظِّمُ بَعْضُهُمْ بَعْضاً۔ (ابو داؤد)

''ابو امامہؓ ذکر کرتے ہیں کہ ایک دن نبی اکرمؐ ہاتھ میں چھڑی لئے ہوئے

ہماری مجلس میں تشریف لائے تو ہم احتراماً آپؐ کے لئے کھڑے ہو گئے اس وقت آپؐ نے فرمایا کہ اس طرح نہ کھڑے ہوا کرو جس طرح غیر مسلم ایک دوسرے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔"

یعنی جس شخص کیلئے کھڑا ہوا گیا ہے وہ تو بیٹھ جائے اور دوسرے کھڑے رہیں۔ افسروں کو اس ارشاد کا خصوصی خیال رکھتے ہوئے انگریز کی بجائے اسلامی کلچر کو فروغ دینا چاہئے۔ اس غیر مسلم تہذیب کی آپؐ نے سخت الفاظ میں حوصلہ شکنی فرمائی ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے :

مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَاماً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّار۔ (ترمذی، ابو اؤد)

"جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ میرے آنے پر لوگ کھڑے ہوں اسے اپنا انجام جہنم سمجھنا چاہئے۔"

ملاقات کی اس شکل کو اخلاقی اور دینی قدروں کے منافی قرار دیا۔ اسی بناء پر ساتھیوں میں نمایاں اور اونچی جگہ بیٹھنا آپؐ کو ہرگز پسند نہ تھا۔ اکثر اوقات اجنبی لوگ جب ملاقات کے لئے حاضر ہوتے تو انہیں پوچھنا پڑتا کہ آپ میں رسول اللہؐ کون ہیں؟ آنے والوں کی اس دقت کو دور کرنے کے لئے صحابہؓ بڑے اصرار کے ساتھ آپ کو نمایاں جگہ پر تشریف فرما ہونے کیلئے عرض کرتے تب جا کر آپؐ مجلس میں منفرد حیثیت سے جلوہ گر ہوتے۔ جبکہ اکثر اوقات آپؐ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپؐ ساتھیوں کے ساتھ برابری اور یکسانیت کے پہلو کو پسند فرماتے۔

استقبالیہ قیام کی اجازت

جو شخص اپنے آنے پر دوسروں کے اٹھنے کا مطالبہ یا خواہش نہ رکھتا ہو اس کے لئے اٹھنا آپؐ نے جائز قرار دیا ہے۔ جیسا کہ آپؐ نے حضرت سعدؓ کے لئے صحابہؓ کو فرمایا

کہ اٹھ کر اپنے سردار کا استقبال کیجئے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ بَنُوْ قُرَیْظَةَ عَلٰی حَکْمِ سَعْدٍ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِلَیْهِ وَکَانَ مَرِیْضاً فَجَآءَ عَلٰی حِمَارٍ فَلَمَّا دَنَامِنَ الْمَسْجِدِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لِلْاَنْصَارِ قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُم۔ (متفق علیہ)

''حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ جب بنو قریظہ نے حضرت سعدؓ کو ثالث مقرر کرنے کی درخواست کی تو آپؐ نے حضرت سعدؓ کی طرف قاصد بھیجا وہ اس وقت بیمار تھے۔ اس لئے وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے۔ جب وہ مسجد کے قریب پہنچے تو آپؐ نے انصار سے کہا کہ اٹھو اور اپنے سردار کا استقبال کرو۔''

اس طرح سیرت کی کتابوں میں یہ حوالے بھی موجود ہیں کہ آپؐ حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کے آنے پر کئی دفعہ اٹھ کر استقبال فرماتے۔

ان حالات وواقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی شخصیت کے لئے استقبالاً کھڑا ہونا جائز ہے جو لوگوں کے اٹھنے کی متمنی نہ ہو۔ متکبر و مغرور یا بدعتی شخص کیلئے اٹھنا نہایت ہی مکروہ عمل قرار دیا گیا ہے۔

☆☆☆

- ☆ مجلس کو با مقصد بنایئے۔
- ☆ باضابطہ مجلس امانت ہوا کرتی ہے۔
- ☆ مجلس میں کشادگی پیدا کرنا وسعت ظرفی کی علامت ہے۔
- ☆ مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ضرور کرنا کیجئے۔

حسنِ اخلاق

اخلاق کا لفظ انسان کے کردار اور گفتار کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ جو شخص کردار کے زاویے سے کمزور ہو، چاہے وہ کتنا ہی شیریں کلام کیوں نہ ہو اسے صاحبِ اخلاق نہیں گردانا جاتا۔ اسی طرح کردار کی دولت رکھنے والا اگر گفتار کے حسن سے تہی دامن اور عاری ہے تو اسے بھی کوئی بااخلاق ماننے کیلئے تیار نہ ہو گا۔ اس لئے اخلاق کا جامع اور مکمل تصور اہل علم کے نزدیک ہمیشہ یہی رہا ہے کہ آدمی کو حسنِ کردار کے ساتھ ساتھ شیریں گفتار کا حامل بھی ہونا چاہئیے۔ لیکن اس مقام پر میں چاہوں گا کہ حسن اخلاق کو صرف گفتار کے حوالے سے ذکر کیا جائے۔ جہاں تک ہمارے آقائے گرامیؐ کے اخلاقِ عالیہ کا تعلق ہے تو خالقِ کائنات نے آپؐ کو اخلاق کے اس منصب پر فائز فرمایا جو کسی دوسرے نبی کو بھی عطا نہیں ہوا۔ قرآنِ حکیم کا فرمان ہے:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍO (القلم پ ۲۹)

"آپؐ کو خلق عظیم کی لامحدود دولت سے مالامال کیا گیا ہے۔"

آپؐ کے اخلاق کریمہ

جہاں تک ہمارے آقائے گرامیؐ کے اخلاقِ عالیہ کا تعلق ہے۔ آپؐ کے بدترین دشمن بھی آپؐ کے اخلاقِ کریمہ اور عظیم کردار کے معترف تھے اعلانِ نبوت سے ایک لمحہ پہلے تک وہ آپؐ کو صادق وامین کے لقب سے پکارا کرتے تھے نظریاتی اختلافات کے باوجود جب کبھی ان سے آپؐ کی ذاتِ عالی کے بارے میں سوال کیا جاتا تو وہ ایک لمحہ تاخیر کئے بغیر اس بات کا اظہار و اقرار کرتے کہ آپؐ کی ذات سے ہمیں کوئی شکایت نہیں۔ بلاشبہ آپؐ اخلاق کا اعلیٰ اور بے مثال نمونہ ہیں ایسا ہی ایک واقعہ بدر کے میدان میں پیش آیا۔ جب ابو جہل سے اس کے ساتھیوں

کے مسلمانوں سے نہ لڑنے کے متعلق مذاکرات ہو رہے تھے تو اس کے ایک سردار نے اپنے سربراہ ابو جہل سے پوچھا:

بتایئے تو سہی محمد کریمؐ کے بارے میں آپ کے کیا خیالات اور اختلافات ہیں؟

تو ابو جہل نے بلا تأمل یہ کہا کہ اس کے کردار و گفتار کے بارے میں ہمیں کوئی شکایت نہیں ہمارا اس سے اختلاف نظریے اور خاندانی برتری کا ہے۔

قرآن مجید نے اس بات کو اس طرح بیان کیا ہے:

قَد نَعلَمُ اِنَه لَیَحزُنُكَ الَّذِی یَقُولُونَ فَاِنَّهُم لاَ یُكَذِّبُونَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰالِمِینَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجحَدُونَ ۝ (الانعام ۳۳پ ۷)

"بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ انکی فضول باتیں آپ کو پریشان کرتی ہیں۔ یقیناً وہ آپ کو نہیں جھٹلا رہے بلکہ یہ ظالم اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔"

اخلاق ہی وہ قوت ہے جس سے مسلمانوں نے پوری دنیا کو مسخر کیا تھا۔ جب صحابہؓ پہلی دفعہ مصر کی سرزمین پر وارد ہوئے تو مصر کے عیسائی گورنر مقوقس نے مذاکرات کیلئے مسلمانوں کے پاس اپنے نمائندے بھیجے تاکہ ان کے اخلاق و کردار اور ان کی فوجی قوت کا پتہ کیا جاسکے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ اس محاذ پر کمانڈر تھے۔ عیسائی مشن نے واپس جاکر ان الفاظ میں اپنی رپورٹ دی تھی:

رَأَیْنَاقَوْماً اَلْمَوْتُ اَحَبُّ اِلیٰ اَحَدِ هِمْ مِنَ الْحَیَاةِ وَالتَّوَاضُعِ اَحَبُّ اَلَیْهِمْ مِنَ الرِّفْعَةِ۔ لَیْسَ لِاَحَدِ هِمْ فِی الدُّنْیَا رَغْبَةٌ وَلاَ نَهْمَةٌ وَ اِنَّمَا جُلُوْسُهُمْ التُّرَابُ وَ اَكْلُهُمْ عَلیٰ رُكَبِهِمْ وَ اَمِیْرُهُمْ كَوَاحِدٍ مِنْهُمْ مَا یُعْرَفُ رَفِیْعُهُمْ مِنْ وَضِیْعِهِمْ وَلَا السَّیِّدَ مِنَ الْعَبْدِ وَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ لَمْ یَتَخَلَّفْ عَنْهَا مِنْهُمْ اَحَدٌ یَغْسِلُوْنَ اَطْرَافَهُمْ بِالْمَاءِ وَ یَخْشَفُوْنَ فِی صَلَاتِهِمْ (النجوم الظاهره)

"ہم نے ایسی قوم دیکھی ہے جس کا ہر فرد موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ وہ شان و شکوہ کی بجائے تواضع اور انکساری پسند کرتے ہیں۔ ان میں سے کسی کے دل میں دنیا کی حرص و ہوس نہیں ہے۔ وہ زمین پر عام لوگوں کی طرح گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔ سربراہِ فوج اور عام مجاہد کے درمیان کوئی امتیاز نہیں۔ اس وجہ سے چھوٹے بڑے میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ وہ نماز کے لئے بڑی مستعدی اور ذوق و شوق کے ساتھ اکٹھے ہوتے ہیں۔ نماز سے پہلے وضو کرتے اور نہایت عاجزی کے ساتھ رب کی بارگاہ میں قیام و سجود کرتے ہیں۔"

ایسے ہی کردار کا مسلمانوں نے جگہ جگہ مظاہرہ کیا تھا۔ سلطنت رومہ کے فرمانروا ہرقل نے جب اپنی قوم کے زعماء اور افواج کے سپاہ سالاروں کے اجتماع میں پسپائی اور ناکامی کے اسباب کے بارے میں پوچھا تو ایک بوڑھے عیسائی نے کھڑے ہو کر واشگاف الفاظ میں کہا تھا:

ہمارا کردار اتنا گھناؤنا اور گھٹیا ہے کہ ہم میں شراب نوشی، بدکاری، خیانت اور بدعہدی کثرت سے پائی جاتی ہے۔ جبکہ ان کا کردار یہ ہے:

وہ وعدے کے پکے دیانت و امانت کے حامل، ان کی راتیں مصلے پر اور دن گھوڑوں کی پیٹھ پر گزرتے ہیں۔

هُمْ رُهبَانٌ بِاللَّيْلِ وَ فُرْسَانٌ بِالنَّهَارِo

نرم دم گفتگو

گفتگو میں الفاظ کا چناؤ اور انتخاب، لب و لہجے میں نرمی اور ملائمت آدمی کی گفتگو کو مؤثر اور پر وقار بنا دیتی ہے۔ اکثر اوقات بدترین دشمن بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آدمی کا موقف چاہے جتنا بھی مضبوط اور مدلل کیوں نہ ہو جب تک الفاظ

کے چناؤ اور استعمال میں حسنِ جمال پیدا نہ کیا جائے اس وقت تک گفتگو دوسرے پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے پاس بھیجا تو فرعون کے متعلق یہ الفاظ استعمال فرمائے :

اِذهَب اِلٰی فِرعَونَ اِنَّه طَغٰی o (النزعٰت ۱۷)

"اے موسیٰؑ ! فرعون کی طرف جایئے وہ سرکشی اور نافرمانی میں حد سے گذرا ہوا ہے۔"

اس کے باوجود آپ کا فرض ہے کہ آپ نرمی اور محبت کے ساتھ اسے سمجھائیں۔

فَقُولَا لَه قَولاً لَّیِّناً o (طٰہٰ ٤٤)

"آپ دونوں (بھائی) اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو کریں۔"

قرآن مجید کے اسی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے نبی محترم ﷺ نے معاملات میں نرمی اور گفتگو میں ملائمت اور شفقت کو پسند فرمایا ہے۔

ایک دفعہ یہودیوں کا وفد آپؐ کے ہاں حاضر ہوا۔ انہوں نے ملاقات کی اجازت چاہی۔ جب آپؐ کی خدمت میں آئے تو السلام علیکم کی بجائے السام علیکم کے الفاظ استعمال کئے جس کا معنی ہے : اے محمدؐ ! تو ہلاک ہو جائے۔ (نعوذباللہ)

آپؐ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہؓ سنتے ہی غیرت میں آئیں اور انہوں نے چپکے سے یہ الفاظ کہے :

وَعَلَیْکُمُ السَّامُ وَ لَعَنَکُمُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَیْکُمْ o

"تم پر ہی موت اور اللہ کی لعنت و پھٹکار اور غضب نازل ہو۔"

نبی اکرمؐ نے جب یہ الفاظ سنے تو آہستہ سے فرمایا :

مَهْلاً یَا عَائِشَةُ ! عَلَیْكَ بِالرِّفْقِ وَ اِیَّاكَ وَالْعَنَفَ وَالْفُحْشَ o

"اے عائشہؓ! رک جاؤ۔ سختی اور بری بات سے اجتناب کرتے ہوئے نرمی اختیار کیجئے۔"

تو میں نے عرض کیا اللہ کے پاک نبیؐ! آپؐ نے ان کے الفاظ نہیں سنے تو آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں؟ تو میں نے عرض کیا: میں نے تو انہیں کے الفاظ لوٹائے ہیں تب آپؐ فرماتے ہیں کہ انکی بد دعا میرے حق میں قبول نہیں ہوتی جبکہ میں اگر ان کے لئے بد دعا کروں تو فوراً قبول ہو جائے گی۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

لَا تَکُوْنِیْ فَاحِشَۃً فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْفُحْشَ وَ التَّفَحُّشَ (مسلم)

"آپ کو برے الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فحش کلامی پسند نہیں کرتا۔"

اِنَّ اللّٰہَ رَفِیْقٌ یُحِبُّ الرِّفْقَ فِی الْاَمْرِ کُلِّہٖ۔ (بخاری)

"یقیناً اللہ تعالیٰ رفیق ہیں اور نرمی کو پسند کرتے ہیں"

اِنَّ الرِّفْقَ لَایَکُوْنُ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا زَانَہٗ۔ (بخاری)

"نرمی ہر چیز میں حسن پیدا کر دیتی ہے۔"

خواتین کا انداز گفتگو کیسا ہونا چاہئیے

جیسا کہ آپ نے نبی رحمتؐ کے ارشادات سے جانا ہے کہ آدمی کی گفتگو میں نرمی، ملائمت اور مسکراہٹ کی حلاوت ہونی چاہئیے مگر خواتین کو قرآن پاک نے اجنبی اور غیر محرموں کیلئے اس انداز کو اختیار کرنے کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کو حکم ہے کہ جب وہ غیر محرموں کے ساتھ گفتگو کریں تو انکے لب و لہجہ اور اندازِ تکلم میں نزاکت اور گھلاوٹ ہونے کی بجائے ہلکا سا اجنبیت کا اظہار ہونا چاہئیے۔ کیونکہ اگر دوسری طرف سے گفتگو کرنے والا آدمی اخلاقی گراوٹ اور ذہنی آوارگی کا مریض ہو تو اس معزز خاتون کی گفتگو کے حوالے سے اس کے اخلاقی مرض کو انگیخت

نہیں ہونی چاہیئے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے بائیسویں پارے میں خواتین کو یہ ہدایت فرمائی ہے۔

فَلاَ تَخضَعنَ بِالقَولِ فَیَطمَعَ الَّذِی فِی قَلبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلنَ قَولاً مَّعرُوفاًo (الاحزاب ۳۲)

"مومن عورتیں گھلاوٹ کے ساتھ گفتگو نہ کیا کریں کیونکہ اس سے عیاش آدمی کے جذبات کو انگیخت ہوتی ہے اس لئے سنجیدہ انداز اختیار کریں۔"

لہذا دختران امت کی گفتگو کا یہی میعار ہونا چاہئے تاکہ ان کی نیک شہرت اور عزت وناموس کے بارے میں کوئی سطحی انسان غلط تصور بھی نہ کر سکے۔

غیرت اور غصہ انسان کی عزت کا محافظ

اخلاق کا یہ ہرگز تقاضا نہیں ہے کہ غیرت اور غصے کے موقع پر آدمی ناراضگی اور حمیت کا مظاہرہ نہ کرے۔اللہ تعالیٰ نے آدمی کی عزت وغیرت کی حفاظت کے لئے مناسب مقام پر غصے کے اظہار کو محافظ بنایا ہے۔جبکہ اچھے بھلے پڑھے لکھے لوگ اور کئی دانشور یہی سمجھتے ہیں کہ اخلاق فقط یہی ہے کہ آدمی ہر حال میں پیار اور نرمی کا مظاہرہ کرتا چلا جائے۔اگر اخلاق کا یہی میعار قائم کیا جاتا تو انسانی تربیت میں ایک بہت بڑا خلا باقی رہ جاتا ہے۔اس لئے امت کی والدہ ماجدہ سے جب یہ سوال کیا گیا کہ آپؐ کے اخلاقِ حسنہ کو کس طرح سمجھنا چاہیئے۔انہوں نے جواباً یہ ارشاد فرمایا کہ اگر آپ نبی اکرمؐ کے اخلاق کو جاننا اور سمجھنا چاہتے ہیں تو اس نقشے میں جائیے:

كَانَ خُلُقُهُ القُرآنَ۔(مشکوۃ)

"آپؐ کا اخلاق قرآن ہی کا عملی پیکر تھا۔"

ہماری والدہ ماجدہ کے فرمان کا یہ مطلب تھا کہ یہاں قرآن پاک نے نرمی اور مروت کا حکم دیا ہے وہاں سرورِ گرامیؐ نرمی، شفقت اور مہربانی کا انداز اختیار فرمایا کرتے

تھے اور یہاں دین و دنیا کے معاملات میں قرآن پاک نے تنبیہ اور انتباہ کیا ہے وہاں نبی معظم سختی اور گرفت کا طریقہ اختیار کیا کرتے۔ انسانی معاشرے کو متوازن اور صحیح خطوط پر چلانے کیلئے اس کے بغیر کوئی دوسرا راستہ موجود نہیں ہے۔ اگر کوئی ذمہ دار آدمی جزاوسزا کا میعار قائم نہیں کرتا تو وہ نظام مملکت چلانا تو درکنار گھر کا ماحول بھی نہیں سدھار سکتا۔ اس لئے قرآن پاک کا ارشاد ہے :

لَاتَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَة فِی دِینِ اللّٰهِ ○ (نور ۲)

"جب تم ظالموں کو سزا دینے پہ آؤ تو مقررہ سزا کے اندر کوئی نرمی نہیں ہونی چاہئے۔"

اسی کے پیش نظر ہم سیرت طیبہ اور احادیث کی مقدس دستاویزات میں دیکھتے ہیں کہ آپؐ کے سامنے جب حدوداللہ کے نفاذ کا معاملہ آتا تو آپؐ پوری قوت وسطوت کے ساتھ اسلامی قانون کو نافذ فرماتے۔

حدیث کی معتبر ترین کتاب بخاری شریف میں موجود ہے جب کچھ لوگوں نے قومی ملکیت میں آنے والے اونٹوں کی چوری کی اور سرکاری محافظوں کو جاتے ہوئے اذیت ناک طریقے سے قتل کردیا تو ایسے ظالم اور سفاک ڈاکوؤں کو گرفتار کر کے جب انتقام کے گھاٹ پر اتارا گیا تو ٹھیک اسی طرح انہیں سزا دی جس طرح انہوں نے محافظوں کے ساتھ سفاکی کا مظاہرہ کیا تھا۔ حدیث کا ریکارڈ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ جب وہ موت وحیات کی کشمکش میں پنڈلی پہ پنڈلی مار رہے تھے اور پیاس کی بنا پر پتھر چاٹتے تھے تو ان کے لئے ایک قطرہ پانی بھی فراہم نہیں کیا گیا تھا۔

قرآن مجید میں سزا کی تائید کرتے ہوئے یہ الفاظ استعمال فرمائے :

اِنَّمَا جَزٰٓؤُاالَّذِینَ یُحَارِبُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ وَیَسعَونَ فِی الاَرضِ فَسَادًا اَن یُّقَتَّلُوآ اَویُصَلَّبُوآ اَوتُقَطَّعَ اَیدِیهِم وَاَرجُلُهُم مِّن خِلَافٍ اَویُنفَوا مِنَ

الاَرضِ ذٰلِكَ لَهُم خِزیٌ فِی الدُّنیَا وَلَهُم فِی الاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیمٌ o (المائدہ۳۳)

"بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلانا چاہتے ہیں ان کی سزا یہ ہے انہیں قتل کر دیا جائے یا انہیں پھانسی دے دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف اطراف سے کاٹ دیئے جائیں۔ یہ تو دنیاوی سزا ہے آخرت میں ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔"

وہ نبیؐ جنہوں نے اپنی ذاتِ اطہر پر ظلم کے پہاڑ برداشت کئے جب دینی غیرت کا معاملہ آتا تو آپؐ ایک لمحہ تاخیر کے بغیر ظالموں کو کیفرِ کردار تک پہنچاتے۔ حدود اللہ کا نفاذ، غیرتِ دینی کے ساتھ اتحادِ امت کے بارے میں آپؐ اتنے حساس تھے کہ ایک دفعہ ایک جلیل القدر صحابیؓ کے بارے میں یہ شکایت پہنچی کہ وہ اپنے محلے میں جب جماعت کرواتے ہیں تو ان کی قرآت اتنی طویل ہوتی ہے کہ نمازی اس کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ آپؐ نے اس موقع پر اس امام کو شدید ترین الفاظ میں انتباہ کرتے ہوئے فرمایا:

اَفَتَّانٌ اَنْتَ یَا مُعَاذُ۔ (بخاری)

"اے معاذ! تو نمازیوں میں تفریق پیدا کرنا چاہتا ہے۔"

مذکورہ حوالہ جات اور واقعات سے یہ نکتہ نگاہ واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اخلاق کا جامع تصور یہی ہے۔ کہ جزا اور اسزا کے ترازو میں جھول نہ آنے پائے۔ کیونکہ اسی میعار کو قائم رکھتے ہوئے ہم اخلاق کے تقاضے پورے کر سکتے ہیں۔

طریقۂ گفتگو

آپؐ کے رفقاء ذکر کرتے ہیں کہ نبی معظم ﷺ جب بھی گفتگو فرماتے۔ نہ تو اتنا تیز انداز ہوتا کہ سننے والا دقت محسوس کرے۔ اور نہ ہی اس قدر کمزور طریقے سے بات

چیت کرتے کہ سننے والے کو اس بات کا انتظار رہے کہ آپ کب اور کیا فرماتے ہیں۔ آپؐ کی آواز میں میانہ روی الفاظ میں ٹھہراؤ اور آواز میں وقار نمایاں ہوتا تھا۔

كَانَ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ بَيْنَهُ فَصْلٌ۔ (مشکوۃ)

الفاظ کے انتخاب میں حسن اور انکی ادائیگی میں مٹھاس اور شیرینی پائی جاتی۔ گویا آپؐ کی زبانِ اطہر سے نکلنے والے الفاظ سامع کے دل پر براہ راست اثر انداز ہو رہے ہیں۔ اسی طرح آپؐ کی گفتگو اتنی طویل نہ ہوتی کہ سننے والے اکتاہٹ محسوس کرنے لگیں۔

عَنْ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَقَدْ رَاَيْتُ وَاُمِرْتُ اَنْ اَتَجَوَّرَ فِي الْقَوْلِ فَاِنَّ الْجَوَارَ هُوَ خَيْرٌ۔ (ابو داؤد)

"حضرت عمروؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبیؐ کو یہ طریقہ اختیار کرتے ہوئے دیکھا بھی ہے اور آپؐ نے مجھے حکم بھی دیا ہے کہ میں کم گوئی سے کام لوں کیونکہ اسی میں بہتری ہے۔"

آپؐ کی گفتگو اتنی مختصر بھی نہ ہوتی تھی کہ سننے والا اس میں تشنگی محسوس کرے۔ آپؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جن معجزات سے سرفراز فرمایا ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مجھے کلام کرنے کا وہ ملکہ عطا کیا گیا کہ دنیا میں کسی کے نصیبے میں نہیں آیا۔

آپؐ نے اس نعمت کا اظہار یوں فرمایا:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ۔ (بخاری)

"مجھے گفتگو کا بہترین ملکہ عطا کیا گیا ہے۔"

گفتگو کے اسی اسلوب کو آپؐ نے اپنی امت کیلئے معیار قرار دیا ہے۔

آپؐ کی عطا کردہ تربیت کا یہ بھی حصہ ہے کہ آدمی دوسرے سے گفتگو کرتے ہوئے اسکی عمر، مرتبہ اور اس سے تعلق کا بھی خاص خیال رکھے۔ اسی بنا پر آپؐ کے رفقائے

گرامی جب آپؐ سے محوِ گفتگو ہوتے تو آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی بجائے اپنی نگاہوں کو ادب واحترام اور شرم وحیاء کی وجہ سے نیچے رکھتے اور یہی طریقہ فطرت اور حیا کا ترجمان ہے کیونکہ اگر کوئی چھوٹا بڑے سے سپاٹ انداز میں گفتگو کرے اور دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھے تو اسکو معصومیت اور حیا کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔آج کل تو قریبی لوگ اس طرح احترام نہیں کرتے جیسے اجنبی اور دور کے لوگ کرتے ہیں۔ وہاں تو صورت یہ تھی کہ سوائے ابوبکرؓ اور عمر فاروقؓ کے باقی صحابہؓ انتظار میں ہوتے تھے کہ کوئی دیہاتی آئے اور وہ کرید کرید کر مسئلے پوچھے تاکہ ہم بھی مستفید ہو سکیں۔

☆☆☆

☆ گفتگو میں ٹھہراؤ اور اختصار ہونا چاہیے۔

☆ الفاظ اور انداز میں نرمی ہونی چاہیے۔

☆ اچھائی کی تحسین اور برائی پر غصہ کا اظہار ہونا چاہیے۔

☆ غیر محرم کے ساتھ بات کرتے ہوئے عورت کی آواز میں نسوانیت کی بجائے

☆ ہلکی سی بے گانگی اور مردانگی ہونی چاہئے۔

ابوھریرہ اکیڈمی
37، کریم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

باہمی ملاقات کا اسلوب کیا ہونا چاہئے

انسان کو انس اور اخوت کے خمیر سے اٹھایا گیا ہے اسی سبب انسانِ اول کو جب تخلیق کے مراحل سے گزار کر مسجود ملائکہ کے منصب پر سرفراز فرماتے ہوئے جنت میں ٹھہرایا اور بسایا گیا تو بے بہا نعمتوں، سہولتوں اور رفعتوں کے باوجود اپنا ہم نسل اور ہم جنس نہ ہونے کی وجہ سے حضرتِ انسان نے جنت کے لہلہاتے باغوں میں بھی خلوت محسوس کی۔ وہ بے قراری کے عالم میں اسقدر مضطرب تھے کہ نعمتوں بھری جنت میں بھی بے سکونی کی کیفیت میں سرگرداں ہوئے جارہے تھے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا o(الاعراف ۱۸۹)

"اس ذات نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا اور پھر اس سے اسکی رفیقۂ حیات کو جنم دیا تاکہ اس کے ساتھ اس کا دل بہلتا رہے۔"

کیونکہ انسان طبعی اور جبلی طور پر معاشرت اور میل جول کو پسند کرتا ہے۔ اسلئے ضروری تھا کہ اسے میل ملاپ کے آداب اور ضوابط سے آگاہ کیا جاتا۔ چنانچہ حدیث کے مقدس ریکارڈ میں یہ واقعہ موجود ہے

عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ .خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ طُوْلَہٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعاً فَلَمَّا .خَلَقَہٗ قَالَ اِذْہَبْ فَسَلِّمْ عَلٰی اُولٰئِكَ اَلنَّفْرِ وَہُمْ نَفَرٌ مِنَ الْمَلَائِكَۃِ جُلُوْسٌ فَاسْتَمِعْ مَایُحَیُّوْنَكَ فَاِنَّہَاتَحِیَّتُكَ وَ تَحِیَّۃُ ذُرِّیَتِكَ .فَذَہَبَ فَقَالَ السَّلَا مُ عَلَیْكُمْ .فَقَالُوْا وَعَلَیْكُمُ السَّلَا مُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ قَالَ فَزَادُوْا وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ.(متفق علیہ)

"حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایااللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا فرمایاآپ کا قد ساٹھ ہاتھ تھا(جب آپؑ کی تخلیق تکمیل کو پہنچی اور جونہی آدمؑ نے آنکھیں کھولیں اور اپنے وجود میں جنبش محسوس کی تو)اللہ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اے آدمؑ وہ دیکھو ملائکہ کا ایک گروہ بیٹھا ہوا ہے۔ تم جاؤاور انہیں سلام کرو۔ اسکے جواب میں ملائکہ جو الفاظ استعمال کریں گے وہی تیری اولاد کیلئے ملاقات کا طریقہ اور اسلوب مقرر کیا جائے گا۔ عین اسی وقت فرشتوں نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کے الفاظ استعمال کئے۔"

اس گھڑی سے لیکر ملاقات کا یہی طریقہ انسان کیلئے پسند کیا گیا۔اس لئے ہمیں اِدھر اُدھر کے الفاظ استعمال کرنے کی بجائے فطری اور طبعی طریقے کو اختیار کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس میں اس قدر جامعیت ہے کہ ملنے والے ایک دوسرے کیلئے ہر لحاظ سے خیر سگالی کے جذبات اور خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ دنیا کے کسی مذہب اور سوسائٹی میں ملاقات کے وقت اسقدر سلامتی کے جامع الفاظ نہیں پائے جاتے۔انکے انداز میں وقتی اور جزوی خیر خواہی کا اظہار ہوتا ہے۔

جیسے : Good Morning، Good Evening وغیرہ۔

ان جذبات کی ترجمانی نبی اکرمؐ کے ان الفاظ سے اور زیادہ واضح اور نمایاں ہو جاتی ہے۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب ایک مسلمان دوسرے سے ملاقات کرے تو اس کے چہرے پر تبسم اور مسکراہٹ ہونی چاہیے اور اس کو انسانی جسم کی سخاوت قرار دیا گیا۔

اِن تَلقَیَ اَخَاکَ بِوَجْہٍ طَلْقٍo

"کسی کو خوش روئی سے ملنا بھی نیکی ہے۔"

مسلمانوں میں باہمی الفت و عقیدت، احترام و اکرام کو فروغ دینے کیلئے آپؐ

نے ہاتھ ملانے یعنی مصافحہ کرنے کی فضیلت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا۔

اِذَاالْتَقَی اَلْمُسْلِمَانِ فَتَصَافَحَاوَحَمِدَاللّٰہِ وَاسْتَغْفَرَاہُ غُفِرَلَھُمَا۔ (ابو داؤد)

"جب دو مسلمانوں کی باہم ملاقات ہو اور وہ مصافحہ کریں اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اپنے لئے مغفرت طلب کریں تو ان کی مغفرت ہو ہی جائے گی۔"

کچھ عرصہ اور مدت کے بعد ملنے پر بغل گیر ہونا اسلامی معاشرت کا حصہ قرار دیا۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ اپنا واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبیؐ نے مجھے اپنے ہاں آنے کا پیغام بھیجا۔ میں اسوقت گھر میں موجود نہیں تھا بعد ازاں میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ مصافحہ کرتے ہوئے میرے ساتھ بغلگیر ہوئے :

فَاَتَیْتُہٗ وَھُوَ عَلٰی سَرِیْرٍ فَالْتَزَمَنِیْ فَکَانَتْ تِلْکَ اَجْوَدَ وَاَلْجُوْدَo (ابوداؤد)

"آپؐ نے مجھ سے معانقہ فرمایا اور آپکا یہ انداز نہایت ہی شفقت سے لبریز تھا۔"

باہمی ملاقات اور رابطے کی اہمیت کو اجاگر اور اسکے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے تاریخ کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ : پہلے زمانے میں ایک آدمی سخت دھوپ اور پسینے سے شرابور چلا جارہا ہے راستے میں آدمی کی شکل میں ایک فرشتہ اسکا منتظر کھڑا ہے جونہی وہ مسافر برابر آیا تو وہ فرشتہ پوچھتا ہے کہ جناب مسافر! آپ کہاں جارہے ہیں؟ مسافر نے بتایا کہ فلاں بستی میں میرا ایک دوست رہتا ہے۔ اس سے ملاقات کی غرض سے جا رہا ہوں فرشتہ پوچھتا ہے : اس سے کوئی رشتہ داری ہے ؟ مسافر نے کہا : نہیں کوئی نسبی رشتہ نہیں۔ فرشتہ : پھر کوئی اس سے کام ہوگا۔؟ مسافر جھٹ بول کر کہتا ہے نہیں کوئی دنیاوی غرض نہیں فقط ملاقات مقصود ہے۔ فرشتہ سوال کرتا ہے : محض ملاقات کیلئے اتنا سفر ؟ اس نے کہا : ہاں اس سے میرا رشتہ اور دوستی صرف اللہ کیلئے ہے۔ تو فرشتے نے کہا : میں اللہ تعالیٰ کا فرشتہ ہوں۔ مجھے حکم تھا کہ جاؤ میرے لئے

دوستی اور رابطہ رکھنے والے کو خوشخبری دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے تم دونوں کو معاف فرما کر اپنی رضا کا سرٹیفیکیٹ دے دیا ہے۔ (بخاری)

اس لئے آپؐ فرمایا کرتے تھے :

كُوْنُوا عِبَادَاللّٰهِ اِخْوَانًا۔

'لوگو اللہ کیلئے بھائی بھائی بن جاؤ۔'

اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰه۔ (مشکوٰۃ)

"اللہ کیلئے محبت کرو اور اللہ ہی کیلئے مخالفت کرو۔"

مسلمانوں کو خفت اور وقت کے ضیاع سے بچانے کیلئے یہ طریقہ متعارف کروایا گیا کہ جب کوئی آدمی کچھ دن اپنے گھر سے باہر رہے جہاں تک ممکن ہو اسے اپنے پلٹنے کے اوقات کی گھر والوں کو اطلاع کرنی چاہئے۔ اس ارشاد سے یہ استدلال بہتر ہو گا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے تو دوسرے آدمی کو اپنی ملاقات کی اطلاع کرنی چاہئے۔ اس سے آدمی کئی دقتوں اور الجھنوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ ہونے والا میزبان ذہنی اور عملی طور پر مہمان کا صحیح معنوں میں استقبال اور میزبانی کے قابل ہو سکے گا۔ جبکہ آنے والا بھی دوسرے کی ملاقات سے یقیناً بہرہ مند ہو گا۔

پھر ملاقات کے آداب میں مسلم معاشرے کو رعونت و غرور اور اخلاقی بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ اصول لاگو فرمایا کہ سوار پیدل کو، چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے۔ اگر یہی اصول ٹھہرایا جاتا کہ ہر حال میں چھوٹا بڑے کو اور کمزور طاقتور کو محکوم حاکم کو سلام کرے تو مسلم سوسائٹی واضح طور پر طبقاتی کشمکش کا شکار ہو جاتی۔

يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِیْ وَالْمَاشِیْ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ وَزَادَ ابْنُ الْمُثَنّٰى فِیْ حَدِيْثِهٖ وَيُسَلِّمُ الصَّغِيْرُ عَلَى الْكَبِيْرِ۔ (ترمذی)

"سوار پیدل کو اور پیدل بیٹھنے والے کو، تھوڑے زیادہ کو اور چھوٹا بڑے کو اسی طرح آنے والا پہلے سے موجود کو السلام علیکم کہے۔"

ہاں اگر ملنے والے ایک ہی حالت میں ہوں تو احترام کی طبعی اور بین الاقوامی قدروں کا بھی خیال رکھا گیا کہ چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔ تاکہ مسلم معاشرہ اخوت کی یکسانیت کے ثمرات سے لطف اندوز ہو سکے۔ اونچ نیچ کے مرض کے تدارک کیلئے یہ اصول بھی وضع فرمایا کہ کوئی سر جھکا کر نہ ملے۔ اس سے بندگی کا انداز ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ آپؐ کا ارشاد عالی ہے:

لَوْ کُنْتُ اٰمُرُ اَحَداً اَنْ یَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ النِّسَآءَ اَنْ یَسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِھِنَّ۔ (ابوداؤد)

"اگر میں کسی کو یہ حکم دیتا کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کے سامنے جھکا کریں تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کے سامنے جھکیں۔

☆☆☆

☆ متبسم پیشانی اور لہلہاتے چہرے کیساتھ ملاقات کیجئے۔

☆ مسکراتے ماتھے کے ساتھ ملنے کو صدقہ قرار دیا۔

☆ والدین کے علاوہ کسی کے سامنے جھکنا جائز نہیں۔

☆ غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے۔

☆ اللہ ہی کے لئے دوستی اور اسکی وجہ سے قطع تعلقی ہونی چاہئے۔

سفر کے ضابطے

دنیا میں بہت ہی کم ایسے انسان ہوں گے جو زندگی بھر ایک ہی مقام پر ٹھہرے اور مقیم رہے ہوں ورنہ ہر آدمی کو اپنی حاجت و ضرورت کیلئے سفر کرنا پڑتا ہے۔ یہ ضرورت کاروباری، سماجی، تمدنی، خالص علمی اور دینی بھی ہو سکتی ہے۔ مطالعہ اور عبرت آموزی کیلئے قرآن حکیم نے لوگوں کو سفر اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے کہ وہ قدرت کے مناظر، قوموں کے عروج وزوال اور ان احوال سے علم و معرفت، نصیحت اور عبرت حاصل کریں جسکی وجہ سے ان قوموں کو انجام کے اس پر گھاٹ اترنا پڑا۔

فَسِيرُوا فِي الأَرضِ فَانظُرُوا كَيفَ كَانَ عَاقِبَةُ المُكَذِّبِينَ o (آل عمران ۱۳۷)

"(اے نبی محترمؐ) فرمادیجئے! زمین مین چل پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیاانجام ہوا۔"

سفر چاہے خالص دینی ہی کیوں نہ ہو اسمیں تھکاوٹ اور مشکلات کا ہونا طبعی امر ہے۔

اَلسَّفْرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ o

"مشکلات سفر کا حصہ ہیں۔"

اس لئے آپؐ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر لوگوں کو سفر کی صعوبتوں کا ادراک ہو جائے تو کوئی شخص بھی جان بوجھ کر تنہا سفر کرنا پسند نہ کرے۔ بالخصوص عورتوں کو تو تنہا سفر کرنے سے منع کر دیا ہے۔ اور یہ شرط عائد کی کہ وہ محرم کے بغیر سفر نہ کریں۔ اس لئے آپؐ نے نہ صرف سفر کے آداب ولحاظ سے آگاہ فرمایابلکہ مسافت کا تعین فرماتے ہوئے سنن ونوافل کی چھوٹ دینے کیساتھ ساتھ فرض نماز کو بھی نصف کر دیا۔ کیونکہ سفر چاہے کتنا ہی آرام دہ کیوں نہ ہو گھر جیسا سکون میسر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ضروری تھا کہ گھر سے نکلنے والے غریب الدیار مسافر کی قدم قدم پر

رہنمائی اور سہولت کا اہتمام کیا جائے۔ لوگوں کو سمجھایا کرتے کہ جو شخص اپنے کام سے فارغ ہو جائے تو اسے جلد از جلد اپنے وطن کو پلٹنا چاہئے۔

اس کے ساتھ یہ فرمان بھی تھا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے گھر والوں کو اپنے پلٹنے کے اوقات کی اطلاع کرنی چاہیے۔ سفر کے دوران ایک سے زیادہ آدمیوں کی صورت میں کسی ایک کو اپنا امیر بنا لینے کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ پھر اس زمانے کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے صبح سویرے سفر کا آغاز پسند فرماتے۔ موسم اور حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ساری رات سفر کرنا بھی آپؐ سے ثابت ہے۔

جن روایات میں جمعرات کو سفر کرنا آپؐ کا پسندیدہ دن قرار دیا گیا ہے ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی کوشش ہوتی تھی کہ معاملات سے جلد از جلد فارغ ہو کر بہر صورت جمعرات واپسی ہو جانی چاہئے تاکہ جمعہ مدینہ منورہ میں ادا کیا جا سکے

کسی بستی میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے :

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّھَا وَ شَرِّاَھْلِھَا وَ اَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِ ھَا وَ خَیْرِاَھْلِھَا (مشکوٰۃ)

"اے اللہ! میں اس سرزمین اور یہاں کے رہنے والوں کے شر سے آپ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔ الٰہی! مجھے اس شہر اور اس کے باسیوں کی طرف سے خیر و برکت نصیب فرما۔"

گھر سے نکلتے وقت آپؐ سے کئی دعائیں ثابت ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے :

بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ۔ (مشکوٰۃ ،نسائی ، ترمذی)

"سب کچھ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہوئے اسی کے نام سے سفر شروع کرتا ہوں"

عرب میں اس وقت چار قسم کی سواریاں استعمال ہوتی تھی۔ اونٹ، گھوڑا، گدھا اور

خچر۔آپؐ کے پاس بہترین قسم کے گھوڑے اور اونٹنیاں موجود تھیں۔ تاہم ایک دو دفعہ آپؐ گدھے پر بھی سوار ہوئے کیونکہ اس زمانے میں بڑے سے بڑا معزز آدمی بھی ضرورت کے وقت گدھے پر سواری کر لیا کرتا تھا۔اس لئے آپؐ نے اس میں کوئی عار محسوس نہیں کی۔ دنیا میں آج بھی بے شمار لوگ گدھے کی سواری کرتے ہیں جب کہ امریکہ کی برسر اقتدار پارٹی کا انتخابی نشان گدھا ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک خرِ عیسیٰؑ تو مقدس جانور ہے۔آپؐ سواری پر براجمان ہوتے ہوئے یہ دعا پڑھتے :

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔(مشکوۃ)

"وہ اللہ بڑا ہی پاک ہے جس نے اس سواری کو ہمارے تابع کر دیا۔ ہم میں اس کو تابع کرنے کی صلاحیت نہ تھی اور ہم بالآخر اپنے رب کی طرف ہی پلٹنے والے ہیں۔"

اللہ اکبر اور الحمد للہ پڑھنا بھی آپؐ سے ثابت ہے۔ بعض دفعہ یہ بھی پڑھتے :

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِیْ سَفَرِ نَا هٰذَاالبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَ مِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرِنَاهٰذَا وَ اطْوِلَنَا بُعْدَهٗ۔(مشکوٰۃ)

"الٰہی! ہمارے سفر کو آسان اور ہماری مسافت کو ہمارے لئے کم کر دے۔"

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ اُجْهَلَ (مشکوٰۃ)

"الٰہی! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں کہ مجھ سے کسی پر زیادتی ہو یا مجھ پر کوئی ظلم کرے مجھ سے کوئی جہالت سرزد ہو یا مجھ پر کوئی جہالت کا مظاہرہ کرے۔"

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَ كَاٰبَةِ الْمَنْظَرِ وَ سُوْٓءِ الْمُنْقَلَبِ فِیْ الْمَالِ وَالْاَهْلِ۔(مشکوۃ)

"اے اللہ! میں آپ کی حفظ و امان چاہتا ہوں سفر کی تکلیف اور برے واقعات کے پیش آنے سے اور واپسی پر اہل و عیال کے نقصان سے۔"

اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ۔ (مسلم)

"ہم واپس پلٹنے والے، توبہ کرنے والے، تابع داری کرنے والے اور اپنے رب کی حمد و تعریف کرنیوالے ہیں۔"

دوران سفر آپؐ کے معمولات

سواری پر بیٹھے ہوئے اللہ کے ذکر میں مصروف رہتے اور کبھی سواری کو قبلہ رخ کھڑا کر کے نفل نماز کا آغاز فرماتے اور سواری کو ہانک دیتے چاہے سواری کا رخ قبلہ سے دوسری جانب ہی کیوں نہ ہو جائے۔ سفر کے دوران ہر ممکن کوشش ہوتی کہ دوسروں کا دل بہلایا جائے اور سفری مشکلات میں ساتھیوں کا مسلسل خیال رکھتے۔ جہاں کہیں پڑاؤ ڈالتے تقسیم کار کرتے ہوئے اپنے ذمے کوئی ڈیوٹی ضرور لیتے۔

ایک دفعہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایک جگہ قیام فرمایا کھانا پکانے کی ڈیوٹیاں لگاتے ہوئے خود ایندھن اکٹھا کرنے کی ذمہ داری لی۔ رفقاء کے بار بار اصرار کے باوجود آپؐ کا ارشاد تھا کہ میں بھی آپ کے سفر کا ساتھی ہوں اس لئے بلاوجہ امتیازی حیثیت اچھی نہیں لگتی۔

ساتھیوں کو اس طرح الوداع فرماتے

حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے الوداع کرتے ہوئے کچھ دیر تک میرا ہاتھ تھامے رکھا اور پھر ان دعائیہ کلمات کے ساتھ الوداع کیا:

وَجَّهَكَ اللّٰهُ لِلْخَيْرِ حَيْثُ مَا تَوَجَّهْتَo

"جدھر بھی جائیں آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر ہی خیر ہو

کسی کے لئے یہ الفاظ استعمال فرماتے:

اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَo

"میں تیرے دین کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہوں۔"

سیدنا عمر فاروقؓ ایک دفعہ عمرہ کرنے کے لئے آپؐ سے الوداعی ملاقات کر رہے تھے تو آپؐ نے اس شفقت آمیز لہجے سے رخصت کیا کہ آپؓ فرماتے ہیں: میں زندگی بھر یہ لمحات اور کلمات نہیں بھول سکتا۔ آپؐ کے مبارک کلمات یہ تھے:

يَا اَخِيْ اَشْرِكْنَا فِيْ دُعَائِكَ وَلَا تَنْسَنَا ۔ (مشکوٰۃ)

"میرے عزیز بھائی! کہیں ہمیں بھول نہ جانا بلکہ اپنی دعاؤں میں ہمیں یاد رکھنا"

☆☆☆

☆ ہمسفر کا خیال اور دوران سفر اللہ کا ذکر کیجئے۔

☆ ایک دوسرے کو الوداع کرتے وقت دعائیہ کلمات ادا کیجئے۔

☆ ملاقات کے وقت السلام علیکم کے الفاظ ہماری تہذیب اور باعث ثواب ہیں۔

☆ مصافحہ کرنے سے محبت بڑھتی اور گناہ جھڑتے ہیں۔

☆ مسافر کی دعا قبول ہوتی ہے۔ لہٰذا سفر میں دعاؤں کا سلسلہ جاری رہنا چاہئے۔

☆ جہاں تک ممکن ہو گھر والوں کو اپنے پلٹنے کے وقت کی اطلاع کیجئے۔

آپؐ زمین سے افلاک تک

آپؐ غریب اور یتیم تھے اللہ تعالیٰ نے آپکو زمین سے اٹھا کر افلاک کی رفعتوں سے بلند وبالا کر دیا، دونوں جہانوں کی عزتیں اور کوثر و تسنیم کا مالک بنادیا۔ اور اس بات کی گارنٹی دی کہ آپکی زندگی کا ہر آنیوالا لمحہ اور واقعہ آپؐ کے لیے عزت وشرف اور رفعت وبلندی کا زینہ بنادیا جائیگا۔ پھر آپؐ دنیا اور آخرت میں اس مقام پر جلوہ گر ہوں گے جس کے بعد کسی لئے بھی یہ کہے بغیر چارہ نہ ہوگا :

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

وَالضُّحٰی oوَالَّیلِ اِذَا سَجٰی oمَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی oوَ لَلاٰخِرَةُ خَیرٌ لَّكَ مِنَ الاُولٰی oوَلَسَوفَ یُعطِیكَ رَبُّكَ فَتَرضٰی o(الضحیٰ)

"قسم ہے روشن دن اور رات کی جب کہ وہ سکون کے ساتھ طاری ہو جائے اے رسول اللہؐ! آپکے رب نے تمہیں نہ چھوڑا ہے اور نہ آپؐ پر ناراض ہوا ہے۔ اور یقیناً آپؐ کے لیے آنے والا وقت پہلے سے بہتر ہوگا۔ اور عنقریب آپؐ کا رب آپؐ کو اتنا دے گا کہ آپؐ خوش ہو جائیں گے۔"

وَرَفَعنَا لَكَ ذِكرَكَ o(الم نشرح پ ۳۰)

"اور تمہارے لئے آپؐ کا شہرہ بلند کر دیا۔"

اِنَّآ اَعطَینٰكَ الكَوثَرَ o(الکوثر پ ۳۰)

"یقیناً ہم نے آپؐ کو (دنیا اور آخرت کی) خیرِ کثیر سے سرفراز کیا۔"

اس مقام عالی پر فائز ہونے اور ہمہ جہت کامیابیوں کے باوجود آپؐ اسی رفتار اور انداز کے ساتھ لوگوں کیلئے عجز و عاجزی کا پیکر اور اللہ کے حضورؐ سرفگندگی کا مجسمہ بنتے چلے گئے۔ یہ اسی کی جھلک ہے :

نماز تہجد میں اس طرح سسکیاں لے کے روتے کہ دیکھنے والے یہ منظر برداشت نہ کرپاتے۔ اور بے ساختہ عرض کرتے کہ آپؐ اسقدر کیوں روتے ہیں۔ اللہ نے آپکی سب کمزوریوں کو معاف کردیا ہے۔ دنیاوجہاں کی عزتوں اور کامیابیوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ تو آپؐ نے جواب دیا:

اَفَلاَ اَکُوْنَ عَبْداً شَکُوْرَا۔ (بخاری)

"کیا میں اللہ تعالیٰ کے شکر گذار بندوں کا انداز اختیار نہ کروں۔"

عجز وانکساری

اپنوں کے ساتھ آپکیؐ شفقت ورحمت بے کنار اور لامحدود تھی۔ غیروں اور جانی دشمنوں کے ساتھ آپکیؐ شفقت ومہربانی کے دلروز واقعات ایسے ہیں جسکی نظیر ہزار کوشش کے باوجود کوئی پیش نہیں کرسکے گا۔ آپؐ مکہ پر فاتحانہ انداز میں پیش قدمی فرما رہے ہیں۔ آپؐ کی آمد کی اطلاع ہوتے ہی مکے کے بڑے بڑے لوگ حاضرِ خدمت ہوئے یا پھر فرار کا راستہ اختیار کیا۔ آپؐ اس طرح جلال اور جمال کے ساتھ مکہ میں مسلح افواج کی ہمراہی میں داخل ہورہے ہیں کہ آپؐ کے مقابلے میں چڑیا کو پر مارنے کی ہمت نہ ہوسکی۔ لوگ بیت اللہ یا اپنے اپنے گھروں میں از خود بند ہوگئے۔ اتنے بے مثال اور کامیاب فوجی آپریشن کے باوجود آپؐ نے مجاہدین کو حکم دیا۔ کہ کسی پر ذرہ برابر زیادتی نہ ہونے پائے۔ اسی اثناء میں ایک کمانڈر کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے:

اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَلْحَمَةِ۔

"آج خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔"

جونہی آپؐ کے نوٹس میں یہ بات آئی۔ آپؐ نے اس سے جھنڈا لے کر دوسرے کو عطا کرتے ہوئے فرمایا:

اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَرْحَمَۃِ۔

"آج شفقت و مروت، معافی اور درگزر کی روایات قائم کی جائیں گی۔"

خود آپؐ کی اپنی حالت یہ تھی کہ آپؐ کا سر اس قدر جھکا ہوا تھا کہ کئی بار آپؐ کی داڑھی مبارک اونٹ کے پلان کے ساتھ لگ جاتی۔ اور اس کے ساتھ ہی آپؐ کی زبان اطہر سے عجز و انکساری اور اظہار تشکر کے طور پر یہ الفاظ جاری تھے:

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَ نَصرَ عَبْدَہٗ وَ ھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ۔(بخاری)

"شکر یہ اس ذات واحد اور یکتا کا جس نے اپنے کمزور بندے کی مدد فرمائی اور گروہوں اور جماعتوں کو ناکامیوں سے دوچار کیا۔"

آپؐ کی ذات پاک پر بار بار قاتلانہ حملہ کرنیوالے، رفقاء کو شہید اور اذیت ناک دکھ دینے والے جب فتح مکہ کے موقع پر ہر قسم کی سازشیں اور کوششیں کرنے کے باوجود ناکام ہو کر آپؐ کے سامنے کھڑے تھے تو آپؐ نے سوال کیا: آج مجھ سے کس سلوک کی توقع کر رہے ہو۔ تو انہوں نے بڑی مجبوری کے عالم میں یہ کہا کہ آپؐ کریم ابن کریم یعنی معزز باپ کے عظیم ترین صاحبزادے ہیں ہم امید کرتے ہیں کہ آپؐ اپنی تابندہ روایات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہمارے ساتھ احسان مندانہ رویہ اختیار فرمائیں گے تو آپؐ نے ایک لمحہ تاخیر کئے بغیر یہ اعلان فرمایا:

لَاتَثْرِیْبَ عَلَیکُمُ الْیَومَ اَنْتُمُ الطِلقَاءُ۔(زاد المعاد)

"آج تم پر کوئی گرفت نہیں میں تمہارے لئے معافی اور آزادی کا اعلان کرتا ہوں۔"

اس طرح ہی کے ایک موقع پر ایک ظالم اور سفاک آدمی قیدی بنا کر آپؐ کے حضور پیش کیا گیا۔ تو وہ سر سے پاؤں تک پسینے سے شرابور اور خوف کے مارے کانپ رہا تھا۔ آپؐ نے اس کو دلاسہ دیتے ہوئے فرمایا کہ مجھ سے اسقدر خوف زدہ ہونے کی

ضرورت نہیں۔ میں تو نہایت ہی غریب ماں کا بیٹا ہوں۔ تم حوصلے کے ساتھ میرے سامنے اپنا موقف پیش کرو۔ تجھ پر ذرہ برابر بھی زیادتی نہیں ہونے پائے گی۔ سیرۃ طیبہ کا یہ فیض تھا کہ آپ کے جانشین اور خلفاء بھی تواضع اور انکساری کے بے مثال نمونہ تھے۔

حضرت عمرؓ جنکی جلالت و تمکنت اور جذبات کے واقعات سے زمانہ آگاہ ہے، وہ جن سے قیصر و کسریٰ کے حکمران لرزاں رہتے تھے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ ان کو ایک بوڑھی عورت نے سر بازار دیر تک کھڑے رکھا۔ کسی نے توجہ دلائی کہ بوڑھی اماں امیر المؤمنین کا وقت ضائع کرنے کے ساتھ یہ زحمت کیوں دے رہی ہو تو اماں کے بولنے سے پہلے امیر المؤمنین نے فرمایا کہ بھائی چپ ہو جاؤ تمہیں کیا معلوم ہے کہ یہ عظیم المرتبت بی بی حضرت خولہؓ ہیں، جنکی سرگوشیوں اور گفتگو کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اپنی کتاب میں محفوظ فرمادیا ہے:

قَد سَمِعَ اللّٰهُ قَولَ الَّتِی تُجَادِلُكَ فِی زَوجِهَا وَ تَشتَكِیٓ اِلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَسمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِیعٌ بَصِیرٌ ۝ (المجادلہ ۱۔پ۲۸)

"اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات کو سن لیا ہے جو اپنے خاوند کے متعلق آپ سے تکرار کرتے ہوئے دربار الٰہی میں شکایت کر رہی تھی اور اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ سن رہے تھے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سننے اور دیکھنے والے ہیں۔"

وقت کے امیر پر بھری محفل میں ایک آدمی نے اعتراض کیا تو لوگوں نے اس کے انداز گفتگو پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ تمہیں امیر المؤمنین کے ساتھ گفتگو کا سلیقہ سیکھنا چاہئے تو امیر المؤمنین نے فرمایا کہ انہیں رہنے دیجئے اگر یہ لوگ ہمارے ساتھ اس طرح آزادی کے ساتھ گفتگو نہیں کریں گے تو معاشرہ خیر سے خالی ہو جائے گا۔ اگر ہم میں سننے کی سکت نہ رہے تو لوگ عدل و انصاف سے محروم ہو جائیں گے۔

آج افسران بالا، معاشرے کی اعلیٰ شخصیات اور قومی قیادت کے لئے یہ واقعات مینارہ نور کی حیثیت رکھتے ہیں اپنے کردار کو اس روشنی سے منور کئے بغیر تو ہم اونچ نیچ اور ظلم کی تاریکیوں کو دور نہیں کر سکتے۔

عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ الْجَنَّةِكُلُّ ضَعِيْفٍ مُضْعَفٍ۔ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهَ لَاَبَرَّهُ۔ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ النَّارِكَلُّ عُتُلٍّ جَوَاظٍ مُتَكَبِّرٍo(بخاری ،مسلم)

”حارثہ بن وہبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا :آؤ میں تمہیں بتاؤں جنت میں جانیوالے کیسے ہوں گے۔ وہ لوگ عاجزی اور تواضع اختیار کرنے والے ہوں گے۔ جن کو دنیا میں لوگ کمزور سمجھتے تھے۔ حالانکہ اگر وہ اللہ کے بارے میں قسم اٹھائیں اللہ انکی قسم کو ضرور پورا کر دے۔ اسی طرح میں تم کو یہ بھی بتاتا جاؤں کہ جھنم میں اکھڑ مزاج، بد خو اور متکبر داخل کئے جائیں گے۔“

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے منبر رسولؐ پر کھڑے ہو کر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے مسلمانوں! ایک دوسرے کیساتھ عاجزی اور خاکساری اختیار کیا کرو میں نے نبی محترم ﷺ سے سنا کہ :

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَ اللّٰهُ۔(مشکوٰۃ)

”جس نے عاجزی کا رویہ اختیار کیا اللہ تعالیٰ اسکی عزت کو ضرور دوبالا فرمائیں گے۔“

وہ اپنے آپ میں عاجز جانا جائیگا مگر لوگوں کی نظر میں عظیم ہو گا۔ اور جس نے تکبر اور بڑے پن کا رویہ اختیار کیا اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کی نظروں میں حقیر بنادیگا چاہے وہ اپنے آپ کو کتنا ہی بڑا تصور کرے۔ اس لئے آپؐ یہ دعا کیا کرتے تھے :

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ فِىْ عَيْنِىْ صَغِيْراً وَفِىْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْراً۔

اے اللہ! مجھے میری نظروں میں صغیر اور لوگوں کی نظروں میں معزز بنادے۔

☆☆☆

☆ سرکاری افسران، اعلیٰ حکام اور بڑے لوگوں کو ہر صورت اللہ کے حضور سرفگندہ اور بندوں کے ساتھ عجز وانکساری اختیار کرنی چاہئے

☆ جس نے اللہ کیلئے تواضع اختیار کی اللہ تعالیٰ اسے بلند وبالا فرمائینگے۔

☆ دشمن کو معاف کردینا سنت نبویؐ ہے۔

☆ ہر وقت شکر گزار لیکن کامیابی کے وقت تو مکمل عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد وستائش اور شکریہ ادا کرنا چاہئے۔

☆ رب کریم شکر گزار بندوں پر مزید عنایات فرماتے ہیں۔

دکھی انسانیت سے اظہار ہمدردی

ہمدردی اور غمخواری اللہ تعالی نے انسان کی نیچر میں شامل کردی ہے۔ جب جذبۂ ہمدردی انسان کے سراپے سے نکل جائے تو آدمی سے وہ جرم اور ظلم سرزد ہوتے ہیں کہ جو وحشی درندوں سے بھی کبھی سرزد نہیں ہوئے۔ یہ مروت اور محبت ہی تو ہے جب ختم ہوگئی تو مائیں اپنے معصوم اور ننھے منے بچوں کو اپنے ہاتھوں سے نہروں اور دریاؤں میں پھینکتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ جب ہمدردی اور غمگساری کا جذبہ انسانیت سے رخصت ہو جائے تو آدمی اپنے ہی جگر گوشے کا کلیجہ پھاڑ ڈالتا ہے انسانی معاشرہ صرف اسی جذبۂ محبت اور غمخواری پر قائم ہے۔ ان جذبات کا جس قدر فقدان ہوگا باہمی الفتیں اور رشتے اسی رفتار سے کمزور ہوتے جائیں گے۔ اس جذبہ خیر خواہی کی پذیرائی کے لئے آپؐ نے ایک شخص کے استفسار پر فرمایا تھا:

اَلدِّینُ النَّصِیحَۃُ۔ (مسلم)

"دین کا مرکزی نکتہ نگاہ اور مطمع نظر خیر خواہی ہے۔"

خوشی اور کامیابی کے موقع پر دوسرے کے ساتھ اظہار مروت کرنا بڑی آسان بات ہے۔ لیکن مشکلات اور مصائب میں گھرے ہوئے انسان کے ساتھ ہمدردی اور غمخواری کا اظہار اعلیٰ اخلاق رکھنے والے شخص کا ہی نصیبہ ہوا کرتا ہے۔ اسکے برعکس کمینہ اور مفاد پرست آدمی فقط خوشیوں کا ساتھی ہوتا ہے۔

شریعت اسلامیہ نے غمخواری کو انسانی ہمدردی کے طور پر ہی نہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق قرار دیا ہے اور جو شخص دوسرے کے حق کی ادائیگی میں جان بوجھ کر غفلت کا اظہار کرتا ہے اس کو میدان محشر میں لوگوں کے سامنے کھڑا کر کے رب کبریا ان الفاظ میں سوال کریں گے۔ میں

ضرورت مند تھا تو نے وسائل رکھنے کے باوجود میری ضرورت کو پورا نہ کیا میں بھوکا اور پیاسا تھا تو تو نے مجھے کھانا اور پانی نہیں دیا۔ میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت کی زحمت گوارا نہ کی۔

وہ بندہ حیران اور ششدر ہو کر عرض کرے گا کہ اے بار الہٰا آپ رب العالمین ہونے کی بناء پر ان حاجتوں اور ضرورتوں سے پاک اور ماوراء ہیں۔ میں آپ کی کس طرح خدمت کرتا، تو پھر اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرمائیں گے کہ میرا فلاں بندہ ان مسائل میں مبتلا تھا تو نے آگے بڑھ کر اس کے ساتھ عملی ہمدردی کا اظہار کیوں نہ کیا۔ اگر تو اس کی یہ خدمت سرانجام دیتا تو آج میری خدمت کے مترادف تجھے اجرو ثواب سے نوازا جاتا۔ (مسلم، مشکوٰۃ باب عیادۃ المریض)

یہی تو شریعت ہمیں سمجھاتی ہے کہ جب کوئی دکھی انسانیت کے ساتھ تعاون اور ہمدردی کا اظہار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مسائل کو دور کر دیتے ہیں۔

عَن اَبِی هُرَیرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَن نَفَّسَ عَن مُومِنٍ کُربَةً مِّن کُرَبِ الدُّنیَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنهُ کُربَةً مِن کُرَبِ یَومِ القِیَامَةِ ○ (مشکوٰۃ)

"حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ فرمایا کرتے تھے: جو مؤمن کی دنیاوی مشکل حل کرنے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی مشکلات آسان فرمادیں گے۔"

نبی محترمؐ کا طریقۂ مبارک یہ تھا کہ کوئی حاجتمند آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپؐ تمام وسائل بروئے کار لاتے ہوئے اسکی مشکل کو رفع کرنے کی کوشش فرماتے۔

ایک دفعہ کچھ لوگ دور دراز کا سفر کر کے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے انہوں نے اپنی غربت وافلاس کا تذکرہ کیا نبی اکرم ﷺ ان کی حالت دیکھ کر اس قدر مضطرب

ہوئے کہ آپؐ وقفے وقفے کے بعد حضرت بلالؓ سے پوچھتے کہ بلالؓ! کیا نماز کا وقت نہیں ہوا۔ جونہی نماز کا وقت ہوا آپؐ جلد جماعت سے فارغ ہوئے اور اس دردانگیز لہجے کے ساتھ انکے تعاون کیلئے لوگوں کو توجہ دلائی کہ چند منٹوں میں کپڑوں اور اناج کے ڈھیر لگ گئے۔ جوں جوں لوگ آپؐ کی خدمت میں انکے لئے تعاون پیش کر رہے تھے تو آپؐ کا غمزدہ چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوا جا رہا تھا۔

اسی طرح جب آپؐ کسی مریض کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تو اسکے ساتھ اظہار ہمدردی کرتے ہوئے فرماتے کہ فکر نہ کیجئے آپ جلد صحتیاب ہو جائیں گے اور گناہوں سے پاک بھی۔ اس کے لئے آپ بڑے جامع الفاظ استعمال فرماتے:

لَابَأس طَهُورٌ اِنشَاءَ اللّٰهُ ٥ (مشکوٰۃ)

"فکر نہ کیجئے اللہ تعالیٰ آپ کو جلد صحتیاب فرمائے گا۔"

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی ذاتِ گرامی کو دو جہاں کے لئے مجسمۂ رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ انسانی ہمدردی اور غمخواری میں کوئی چیز حائل نہ ہونے پائے۔ اسی سبب آپؐ کے جذبۂ اخوت و ہمدردی سے صرف صحابہؓ ہی فیض یاب نہیں ہوئے بلکہ آپؐ غیر مسلموں کے ساتھ بھی انسانی ہمدردی کا پورا پورا مظاہرہ فرماتے آپؐ کے علم میں لایا گیا کہ فلاں یہودی نوجوان کچھ دنوں سے شدید بیمار ہے تو آپؐ وقت نکال کر فوراً اسکے گھر تشریف لے گئے دیکھا کہ وہ بیچارہ نزع کے عالم میں تھا آپؐ نے اسکی نہایت ہی مشفقانہ انداز میں تیمارداری فرمائی اور گھر والوں سے اظہارِ ہمدردی کیا۔ اٹھنے سے پہلے رحمتِ دو عالمؐ نے اس نوجوان سے کہا کہ آپ کلمہ طیبہ پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں تو بیمار نے سوالیہ انداز سے اپنے یہودی باپ کی طرف دیکھا۔ یہودی آپؐ کے جذبۂ ہمدردی اور اخلاق سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے اپنے بیمار بیٹے سے کہا کہ جس

طرح ابو القاسمؐ یعنی نبی اکرمؐ فرمارہے ہیں آپ مسلمان ہو جائیں مجھے کوئی شکایت نہ ہو گی۔ اسکی خوش بختی کہ جونہی اس کی زباں سے لااله الاالله جاری ہوا اس کی روح پرواز کر گئی اور آج وہ جنت کی بہاریں لوٹ رہا ہو گا۔ (مشکوٰۃ باب عیادۃ المریض)

ایسے ہی موقع پر دوسروں کو تلقین کرتے کہ مریض کے آرام کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھنا چاہئے۔ اسی بنا پر آپؐ کا ارشاد ہے کہ بیمار کے پاس زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہئے۔

حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں بیمار ہوا آپؐ تیمارداری کیلئے میرے ہاں تشریف لائے تو عیادت کرتے ہوئے نبی محترمؐ میرے سر اور سینے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرماتے جارہے تھے: انشاء اللہ آپ جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔ اس بیماری کے بدلے آپ سے سرزد ہونے والی کمزوریاں بھی اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے۔ (مشکوۃ)

حضرت سعدؓ زندگی میں جب کبھی اس واقعے کا ذکر کرتے تو فرمایا کرتے تھے کہ میں آج بھی اللہ کے پاک نبیؐ کے دستِ مبارک کی ٹھنڈک محسوس کرتا ہوں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں امن و سکون، برادری اور معاشرے میں مروت اور بھائی چارے کی فضا پیدا ہو تو ہمیں ایک دوسرے سے تعاون اور ہمدردی کے لئے آگے بڑھتے ہوئے اسلاف کے نمونے کو اپنانا ہو گا۔

مسلم معاشرے کی اخلاقی فضا کا عالم یہ تھا کہ پڑوس یا رشتے داروں میں کوئی عورت بیمار ہو جاتی تو خواتین اپنا کام کاج چھوڑ کر اس کی تیمارداری کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیتیں۔ حضرت فاطمہؓ جگر گوشۂ رسول، نبی محترمؐ کے انتقال کے بعد بیمار ہوئیں تو حضرت صدیق اکبرؓ کی زوجہ محترمہ جن کو موجودہ سیاسی زبان میں خاتونِ اول کا مقام حاصل تھا تو وہ دن رات حضرت فاطمہؓ کی خدمت اور تیمارداری میں لگی رہتیں۔

حتی کہ حضرت فاطمہؓ اسی بیماری میں رحلت فرما گئیں۔

خواتین کی ہمدردی اور غمخواری کا عالم یہ تھا کہ جب غزوۂ احد کے موقع پر مسلمانوں کو وقتی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا اور یہ خبر آناً فاناً مدینے میں پہنچی تو پردہ نشین خواتین میدانِ احد کی طرف بے ساختہ دوڑتی ہوئی گئیں۔اس موقعہ پر ایک غازی کا کہنا ہے کہ میں نے زخمیوں کی خدمت کرتے ہوئے ان بہنوں کو دیکھا کہ وہ اس انہماک کے ساتھ خدمت کر رہی تھیں کہ ان میں ایک معزز خاتون کو یہ خبر تک نہ تھی کہ میری پنڈلی کا کچھ حصہ ننگا ہو رہا ہے۔

آپؐ کی سنتِ مبارکہ کے ہی یہ اثرات ہیں کہ مسلمان حکمران بڑی بڑی مملکتوں کے فرمانروا ہونے کے باوجود دوسرے کی خدمت اور ہمدردی اس طرح کرتے کہ دیکھنے والا تعجب کے مارے زمین میں گڑ جاتا اور اظہارِ ہمدردی کے اس عمل میں اپنے اور بیگانے کی تفریق نہ تھی۔

تین براعظموں کو زیر نگیں کرنے والے فرمانروا حضرت عمر فاروقؓ جن کے ہاتھوں قیصر و کسریٰ کے تاج زمین پر آ رہے تھے انہوں نے ایک ضعیف اور کمزور عیسائی کو لاٹھی کے سہارے چلتے ہوئے ہاتھ میں کشکول پکڑے مانگتے ہوئے دیکھا تو اسقدر مضطرب ہوئے کہ بے ساختہ فرمایا: یہ کیسے گوارا ہو سکتا ہے یہ لوگ جوانی میں حکومت کو ٹیکس ادا کریں اور بڑھاپے میں دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھریں۔اسلئے فوراً واپس پلٹے اور اپنے سیکرٹری کو کہا: آج کے بعد کمزور، حاجتمند اور بوڑھے لوگوں کے بلا تفریق مذہب وظائف جاری کر دیے جائیں۔ (الفاروق)

جذبۂ ہمدردی کی بنا پر حضرت فاروق اعظمؓ کی حالت یہ تھی فرمایا کرتے تھے:

لَو مَاتَت شَاةٌ عَلیٰ شَطِّ الفَرَاتِ جَائِعَةً لَظَنَنتُ أنَّ اللّٰهَ

سَائِلِی عَنهَا یَومَ القِیَامَۃِ۔(البدایۃ والنہایۃ)

''اگر دریائے فرات کے کنارے بکری کا کوئی بچہ بھوک کی وجہ سے مر گیا تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں بھی مجھ سے سوال کریں گے۔'

انسان تو درکنار جانوروں کے ساتھ ہمدردی کو نظام حکومت کا حصہ بناتے ہوئے امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیزؒ نے مملکتِ اسلامیہ کے گوشے گوشے میں یہ قانون جاری کیا کہ کوئی شخص باربرداری کرتے ہوئے اونٹ یا کسی جانور پر حکومت کے مقررہ بوجھ سے زیادہ وزن نہ ڈالے ورنہ اسے قرار واقعی سزا دی جائے گی۔(سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ)

☆☆☆

☆ دین خیر خواہی اور ہمدردی کا خلاصہ ہے۔

☆ دوسرے کی مدد اللہ کی مدد کا سبب بنتی ہے۔

☆ کرو مہربانی تم اہل زمین پر

خدا مہربان ہو گا عرشِ بریں پر

☆ بیماری سے آدمی کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

☆ دکھی اور بیمار آدمی کے ساتھ نہایت ہی مشفقانہ اور ہمدردانہ انداز اختیار کرنا چاہئے۔

☆ جانوروں کے ساتھ نرمی اور شفقت اسلامی تعلیم کا حصہ ہے۔

انسانیت کی فلاح وبہبود کی بے مثال جدو جہد

انبیائے کرامؑ کی تشریف آوری کا مقصد صرف یہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ ذکر و فکر اور اللہ کا حکم سنا کر مطمئن ہو جائیں۔ وہ تو ہر پہلو سے انسانی معاشرے کی فلاح کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ انکی دعوت وفکر کا محور یہ رہا ہے کہ انسان رب کی بندگی اسطرح کرے جس سے رب راضی ہونے کے ساتھ دنیا بھی حسن و کردار کا مرقع بن جائے۔ کیونکہ اسلام دنیا کے ذریعے آخرت اور پھر آخرت کے راستے دنیا کو سنوارنا چاہتا ہے۔ جب تک افکار و کردار میں یہ توازن نہیں ہوگا تب تک انبیاءؑ کی تعیناتی کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ انسانیت کو کردار کی اس منزل تک پہنچانے کیلئے انبیاءؑ کی آمد کا ایک طویل سلسلہ جاری رہا اور ان شخصیتوں نے ہر زاویے اور اینگل سے جدو جہد فرمائی جو صرف انہیں کا کام اور شان تھی تاآنکہ نبی محترمؐ نے انسانی اصلاح کی جدو جہد کو اس قدر دلسوزی اور جانفشانی کیساتھ سرانجام دیا قریب تھا آپؐ کے اعصاب شل اور وجودِ اطہر کو کوئی روگ لگ جاتا اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ریلیف دیتے ہوئے یہ ارشادات فرمائے :

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفسَكَ اَلَّايَكُونُوا مُؤمِنِينَ O(الشعراء، آیت ۳)

"کیا آپؐ اپنے آپ کو ہلاک کرلیں گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے۔"

فَذَكِّر اِنَّمَا اَنتَ مُذَكِّرٌ O(الغاشية)

"نصیحت فرمائیں آپ تو فقط نصیحت کرنے والے ہیں۔"

وَمَاانتَ عَلَيهِم بِوَكِيلٍ O (الانعام۱۰۸)

آپؐ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

"آپؐ ان پر چوکیدار نہیں لگائے گئے۔"

اس جہد مسلسل کا اعتراف اور اسکو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے حضرت

عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ وہ شخص آپؐ کی کوشش وکاوش اور عظیم کارناموں کو نہیں سمجھ سکتا جو ہماری جہالت کی زندگی سے بے خبر ہے۔ اصلاح معاشرہ کا یہی وہ جذبہ تھا جس کی بدولت آپؐ نے نبوت سے پہلے اس انجمن اور اسکے مقاصد کیلئے بھرپور حصہ لیا جس کو حلف الفضول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے اہم نکات یہ تھے :

ظالم کو ظلم سے روکنے کیلئے ہر اقدام کیا جائے گا۔

مظلوم کی ہر صورت میں مدد کی جائیگی۔

مسافروں، یتامیٰ، بیوگان اور غلاموں کے حقوق کی نگاہ داشت کی جائے گی۔ (الرحیق المختوم)

پہلی وحی کی کیفیت جب آپؐ نے حضرت خدیجۃالکبریٰؓ کے سامنے اسطرح بیان کی کہ میں غارِ حرا میں بیٹھا تھا۔ میرے پاس اس قسم کی شخصیت آئی اس نے مجھے قرآن پاک کے یہ الفاظ پڑھنے کے لئے فرمایا۔ میں نے کہا کہ میں پڑھا لکھا نہیں ہوں۔ اس فرشتے نے اپنے سے بغل گیر کرتے ہوئے مجھے تیسری دفعہ اس طرح دبوچا کہ میں نے محسوس کیا کہ کہیں میرے سینے کی ہڈیاں نہ ٹوٹ جائیں۔ اب میں اپنی جان کے بارے میں شدید خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے کمبل دیجئے میں آرام کرنا چاہتا ہوں جب آپؐ کی طبیعت سنبھل گئی تو حضرت خدیجۃالکبریٰؓ نے اس واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے آپؐ کی حیاتِ مقدسہ کے بارے میں فرمایا :

فَقَالَت خَدِیجَةُ کَلَّا وَاللّٰهِ مَا یُخزِیكَ اللّٰهُ اَبداً اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحمَ وَتَحمِلُ الکَلَّ وَتَکسِبُ المَعدُومَ وَتَقرِی الضَّیفَ وَتُعِینُ عَلٰی نَوَائِبِ الحَقِّo(بخاری باب کیف بداالوحی)

”حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا اللہ کی قسم میرے سر تاج یہ کبھی نہیں ہو سکتا

کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں ہونے دیگا کیونکہ آپؐ رشتے داریوں کو جوڑنے والے کمزوروں کا بوجھ اٹھانے، بے کسوں کی مدد، مہمان کی عزت کرنے اور معاملات میں حق اور سچ کی حمایت کرنے والے ہیں۔"

نبوت کے بعد جوں جوں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے وسائل اور اختیارات میں اضافہ فرمایا آپؐ نے اسی قدر ہی قرآن وسنت کی تعلیم و تبلیغ کے ساتھ ساتھ لوگوں کے انفرادی اور اجتماعی مسائل اور مشکلات کو رفع کرنے کے بارے میں ہر ذریعہ اختیار فرمایا۔ حتیٰ کہ آپؐ نے کئی بار یہ اعلان فرمایا :

"اگر مرنے والے کے سر پر قرض ہو اور اس کی ادائیگی کا انتظام نہیں تو ہم اسکی ادائیگی کریں گے۔"

اسی طریقۂ حیات کی پیروی میں حضرت صدیق اکبرؓ حکمران ہونیکے باوجود ایک نابینی بڑھیا کے گھر میں آدھی رات کے وقت صفائی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ (سیرت صدیق اکبرؓ)

حضرت عمرؓ کے دور میں خلافت کی حدود اور وسائل میں بے پناہ اضافہ ہوا تو انہوں نے رفاہ عامہ کے لئے بڑے بڑے منصوبے جاری کیے۔ تاجروں کو سہولتیں زراعت میں وسعت کیلئے ڈیم اور نہریں بنوائیں آباد کاری کیلئے شہر، بے روزگاروں حتیٰ کہ غیر مسلموں کی فلاح و بہبود کیلئے بھی وظائف مقرر کر دیئے۔ اسی سلسلے کو امویوں اور عباسیوں نے اپنے دور میں جاری رکھا حتیٰ کہ جب مسلمانوں نے یورپ کی سرزمین پر اسلام کا پرچم لہرایا تو انہوں نے قرآن وسنت کے نفاذ کیساتھ ساتھ ملک کی ترقی اور عوام کی فلاح بہبود اور رفاہ عامہ کے کاموں پر اس قدر توجہ دی کہ مشہور مستشرق 'سدیو' نے اپنی کتاب میں زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے :

"عرب چونکہ زراعت اور تجارت کے اصولوں سے اچھی طرح واقف

تھے۔اس لئے انہوں نے اندلس کی سرزمین کو سرسبز بنادیا۔ایک شہر سے دوسرے شہر اور کھیت سے منڈیوں تک سڑکوں کا مربوط جال بچھادیا۔اسپین میں صنعت وحرفت اور اخلاق وکردار میں اسطرح انقلاب برپا ہوا کہ جس کی اس سے پہلے کسی قوم میں مثال نہیں پائی جاتی۔ مسلمان قرآن پاک پر عمل کرنے کی وجہ سے کسی حسب ونسب کی برتری پر یقین نہیں رکھتے تھے۔اس لئے عوام اور حکمرانوں میں قربت اور عقیدت پائی جاتی تھی۔ ملک میں باغات، کپاس، ریشمی اور سوتی کپڑوں کی دستکاری اور اسلحہ کے کارخانے لگائے گئے۔دریائے طونہ جووانسہ کے قریب سمندر میں گرتا تھا۔اسکے پانی کو سمندر سے چھ میل کے فاصلے پر بند بناکر ذخیرہ کیا گیا۔اس سے سات نہریں نکالی گئیں پھر نہروں کو راجباہوں میں تبدیل کر کے پورے ملک میں آب پاشی کا نظام مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم کیا گیا۔(تاریخ ہسپانیہ)

آبادکاری

سپین کے جس حصے پر مسلمان حکمران نے اسکو چھ صوبوں میں تقسیم کیا گیا جن میں ۸۰ نئے بڑے بڑے شہر ۳۰۰ قصبات بے شمار گاؤں اور بستیاں معرض وجود میں آئیں۔ صرف قرطبہ شہر میں دو لاکھ مکانات، چھ سو مسجدیں، پچاس ہسپتال، اسّی تعلیمی ادارے اور عام لوگوں کے نہانے کیلئے حمام بنوائے گئے اس وقت قرطبہ کی آبادی دس لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔

عوام کی اخلاقی حالت میں زبردست تبدیلی

قرآن حکیم نے اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں کی تفصیل دیتے ہوئے واضح اور دوٹوک الفاظ میں فرمایا۔

اَلَّذِینَ اِن مَّکَّنّٰھُم فِی الاَرضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ

وَاَمَرُوا بِالمَعرُوفِ وَنَهَوا عَنِ المُنكَرِوَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الاُمُورِ۔(الحج ٤١)

اللہ جن لوگوں کو اقتدار واختیار سے سرفراز فرمائے ان کا فرض ہے کہ وہ نظام صلوۃ وزکوۃ نافذ کرنے کے ساتھ لوگوں کو نیکی کا حکم اور برائی سے روکنے کے اقدامات کریں ہر کام کا نتیجہ اللہ کے ہاں مرتب شدہ ہے۔

اس حکم کے پیش نظر خلفائے راشدین لوگوں کی تعلیم و تعلم اور فلاح وبہبود کی طرف توجہ رکھتے ہوئے اس بات کا خصوصی دھیان فرماتے کہ عوام کی اخلاقی قدروں بالخصوص حکومت کے منصب دار اپنے کردار کو لوگوں کے سامنے نمونے کے طور پر پیش کر سکیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے مملکت کے تمام گورنرز کو خط لکھا کہ میرے نزدیک وہ شخص حکومت کی ذمہ داریوں کے بارے میں نااہل قرار پائے گا جو نماز اول وقت پر ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے۔ پھر انہوں نے اپنے پہلے خطاب میں یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ ظالم میری حکومت میں سب سے زیادہ کمزور اور مظلوم ہماری نگاہ میں طاقتور سمجھا جائیگا۔ ان کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ نظام حکومت اس وقت تک ہی عدل وانصاف کے معیار پر پورا اتر سکتا ہے جب تک مظلوم کا ہاتھ ظالم کے گریبان تک نہ پہنچ سکے۔ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ حکومت کے عہدیداران کو وقتاً فوقتاً ہدایات جاری فرماتے اور پھر ان احکامات پر عملداری کی کڑی نگرانی ان کے طرز حکومت کا مستقل حصہ تھا۔ ایک دفعہ فوج کے کور کمانڈرز کو مراسلہ جاری کیا کہ تمہیں جرائم اور گناہوں سے بچنے کیلئے سب سے زیادہ کوشش کرنی چاہیئے۔ یہی تمہاری قوت وسطوت کا راز ہے ورنہ دشمن کے مقابلے میں کسی اعتبار سے تم غلبہ وقوت نہیں حاصل کر سکو گے ان کے مراسلے کے مقدس الفاظ یہ ہیں۔

اُوصِیکُم اَن تَکُونُوااَشَدَّ حِرَاصاً مِنَ المَعَاصِی مِن عَدُوِّکُم۔

میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تمہیں اپنے دشمن کی نسبت گناہوں سے بچنے کی زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔(البدائیہ والنہائیہ)

اسی طرح خلافت عباسیہ کے دوسرے حکمران ابو جعفر منصور نے لوگوں کے اخلاق اور کردار کو سنوارنے کیلئے یہاں تک توجہ فرمائی کہ ایک مرتبہ اسے شاہی محل میں گانے بجانے کی آواز سنائی دی۔ وہ آدھی رات کے وقت اٹھا۔ایک جگہ پہنچ کر اس نے دیکھا کہ ایک غلام طنبورہ (باجا) بجارہا ہے۔ چند کنیزیں اس کے آس پاس بیٹھی ہنس ہنس کر داد دے رہی ہیں۔ خلیفہ کو دیکھ کر وہ اِدھر اُدھر چھپ گئیں۔ خلیفہ منصور نے حکم دیا کہ یہ طنبورہ بجانے والے کے سر کے اوپر پھاڑ دیا جائے۔ اور اس کے بعد تمام ایسے خدام کو شاہی ایوان سے نکل جانے کا حکم دیا۔

مسلمان حکمران اخلاقی اقدار کا اس قدر خیال اور احترام کرتے تھے کہ ایک دفعہ مشہورِ زمانہ طبیب بختیشوع شاہی مہمان کی حیثیت سے بغداد میں ٹھہرا ہوا تھا۔ جب دسترخوان پر اسے کھانے کی دعوت دی گئی وہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہتا ہے کہ میں تو شراب کے بغیر کھانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ امراء کے سمجھانے کے باوجود اس نے کھانے سے انکار کر دیا۔ فوری طور پر خلیفہ منصور کو اطلاع دی گئی تو انہوں نے اندر سے جواب بھیجا کہ اسے بھوکا رہنے دیجئے ہم اس کی وجہ سے اپنی دینی اور اخلاقی اقدار تباہ نہیں کر سکتے۔ شام کے وقت کھانے پر جب اسے دعوت دی گئی تو سارا دن بھوکا رہنے کیوجہ سے اس نے کھانا کھانا شروع کیا۔ جب پانی پی کر فارغ ہوا تو اپنی خفت مٹاتے ہوئے اس نے کہا کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ شراب سے زیادہ بھی کوئی لذیذ مشروب ہو سکتا ہے۔ دجلہ کے پانی نے تو میرے ذہن سے شراب کی لذت محو کر دی ہے۔اب مجھے شراب کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

عوامی مراعات

جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے کہ نبی اکرمؐ دنیا میں اس لیے جلوہ گر ہوئے کہ لوگوں کے عقائد اور اعمال کو خدائی ہدایت کے سانچے میں ڈھال دیں اس مشن کے ساتھ ساتھ آپؐ کے ذمہ یہ ڈیوٹی بھی لگائی گئی کہ آپؐ لوگوں کو ہر قسم کے ناروا بوجھ، غلط نظام کی پابندیوں اور سماج کی نامناسب رسومات سے نجات دلوائیں۔ قرآنِ حکیم نے اس انقلابی منصوبے کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے :

وَيَضَعُ عَنهُم اِصرَهُم وَالاَغلٰلَ الَّتِی كَانَت عَلَيهِم فَالَّذِينَ اٰمَنُوا بِهٖ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِی اُنزِلَ مَعَهٗ اُولٰئِكَ هُمُ المُفلِحُونَ ○ (الاعراف پ۹)

''ان پر وہ بوجھ اتار دیئے جائیں جو ان پر لدے ہوئے ہیں اور ہر قسم کی ناجائز پابندیوں کو توڑ دیا جائے جن میں انکو جکڑا گیا ہے۔ لہٰذا جو لوگ آپؐ پر ایمان لائیں گے اور آپؐ کی حمایت اور مدد کرینگے اور اس روشنی کی پیروی کریں جو آپؐ پر نازل کی گئی۔ وہی کامیاب وکامران ہونگے۔''

اسی کی روشنی میں قادسیہ کے معرکے کے وقت جب حضرت ربیعؓ ایرانی کمانڈر رستم کے ساتھ مذاکرات کر رہے تھے تو اس نے یہ استفسار کیا کہ تم ہماری سرحدات میں کیوں داخل ہوئے ہو تمہارے آنے کا مدعا کیا ہے ؟۔ تو جناب ربیعؓ نے ایرانی تہذیب و تمدن کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں اسلام کی اس طرح ترجمانی کی تھی۔

اِنَّا قَد اُرسِلنَا لِنُخرِجَ النَّاسَ مِنَ ظُلُمَاتِ الجَهَالَةِ اِلٰی نُورِ الاِسلَامِ وَمِن جَورِ المُلُوكِ اِلٰی عَدلِ الاِسلَامِ○ (البدایہ و النہایہ)

"ہم آئے نہیں بلکہ ہمیں بھیجا گیا ہے۔اس لئے کہ لوگوں کو جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لایا جائے اور لوگوں کو مظالم سے نکال کر اسلام کے عدل وانصاف سے ہمکنار کیا جائے۔"

قرآن وسنت اور خلفاء کے کردار کی اس روشنی میں ہر مسلمان حکمران پبلک پر کسی قسم کا بوجھ گوارا نہیں کرتے تھے حضرت عمر فاروقؓ کو سپیشل برانچ کے کار پردازوں نے یہ رپورٹ بھیجی کہ مصر کے علاقے میں مسافروں پر نہر کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے پہنچنے کیلئے علاقے کے لوگوں نے ٹال ٹیکس لگا رکھا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فوری طور پر اس کا نوٹس لیتے ہوئے وہاں کے گورنر کو لکھا کہ مجھے یہ شکایت پہنچی ہے کہ مسافروں سے یہ ناجائز ٹیکس وصول کیا جارہا ہے۔ میرا حکم پہنچتے ہی اس ٹال ٹیکس کو فوری طور پر ختم کر دیا جائے اگر اس کے باوجود بھی لوگ باز نہ آئیں تو انہیں قرار واقعی سزا دینی چاہئے۔

انہی کی اتباع کرتے ہوئے خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے سے پیش رو حکمرانوں کے لگائے گئے ناجائز محصولات کو بیک جنبش قلم ختم کرنے کے لئے آرڈر جاری فرمائے اور ان الفاظ میں فرمان جاری کیا کہ اللہ نے اپنے نبی آخر الزمان کو تحصیلدار کی بجائے معلم بنا کر بھیجا تھا یعنی حکومت کو لوگوں سے مال بٹورنے کی بجائے ان کی اخلاقی اور روحانی تربیت کی طرف بھرپور توجہ رکھنی چاہئے۔انہوں نے ناجائز محصولات (Taxes) کو ختم کرنے کیلئے اس قدر سخت حکم صادر فرمایا کہ ناجائز محصولات ہی نہیں بلکہ ایسے دفاتر کو بھی ملیامیٹ کر دیا جائے چنانچہ وہ مصر کے گورنر کو اس انداز سے انتباہ آمیز خط لکھتے ہیں۔

اَن ارکَبَ اِلَی البَیتِ الَّذِی بَرَفحٍ الَّذِی یُقَالُ لَهُ بَیتُ المَکسِ

فَاَھدِمُہُ ثُمَّ اَحمِلُہُ اِلَی البَحرِ۔(کتاب الاموال)

عوام سے ناجائز ٹیکس وصول کرنے والے دفتر کو نہ صرف مٹانا ہوگا بلکہ اس کے ملبہ کو فوری طور پر دریابرد کر دیا جائے۔

ماضی بعید میں جھانکنے کی بجائے زمانۂ قریب میں دیکھیں بر صغیر کے رحمدل اور نیک حکمرانوں نے جب عنان حکومت سنبھالا تو فوری طور پر رعایا پر معاشی بوجھ کم کرنے کیلئے ہر قسم کے ناجائز ٹیکس ختم کرنے کے احکامات جاری کئے۔بر صغیر کی تاریخ شیر شاہ سوریؒ اور فیروز شاہ تغلقؒ کی اس رعایا پروری کی آج بھی شہادت دے رہی ہے۔ شیر شاہ سوری نے تقریباً سوا تین سال کے اندر شاہراہوں کا جال بچھایا،افسران کے ظلم وستم کو ختم کیااور ملک میں اس قدر امن وامان قائم ہوا کہ مسافر مال ومتاع رکھنے کے باوجود سفر کے دوران اس طرح بے فکر ہو کر سویا کرتے تھے جیسے کوئی شہزادہ مضبوط قلعے میں پہرہ داروں کی نگرانی میں آرام فرمارہا ہو اور یہی انداز حکمرانی فیروز شاہ تغلق کا تھا اس نے عوامی فلاح وبہبود کا اس تیزی اور منصوبہ بندی کے ساتھ کام کیا کہ جن کی فہرست اتنی طویل ہے جسکو چند صفحات میں بیان کرنا کاردارت کے مترادف سمجھا جائے گا۔

اسی طرح ہی ہندوستان کے درویش فرمانروا اورنگ زیب عالمگیر نے جب عنانِ حکومت سنبھالی تو اس نے ٹیکس کے نظام کا از سرنوَ جائزہ لیا اور عوام پر ظلم محسوس کرتے ہوئے بیک جنبشِ قلم مختلف قسم کے اسّی ٹیکس معاف کر دیئے جنکا تخمینہ بیس لاکھ کے قریب تھا۔

قانون کا احترام

آئین اور قانون اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اجتماعی زندگی میں عدل وانصاف اور

توازن پیدا کیا جائے۔ اس لئے نہایت ضروری ہے کہ اوپر سے لے کر نیچے تک ہر شہری آئین اور ملکی ضابطوں کا احترام کرے۔ قانون کے احترام کا تصور دیتے ہوئے آپؐ کی زبانِ اطہر سے یہ اعلان کروایا گیا :

اُمِرتُ وَأنَا مِنَ المُسلِمِينَO (انعام۱۶۳)

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے تسلیمات پیش کروں۔

دین کے ضابطۂ حیات کے ساتھ آپؐ کا یہ بھی فرمان تھا :

اَلمُسلِمُونَ عَلیٰ شُرُوطِهِم۔(بخاری)

''مسلمانوں پر باہمی طے پانے والے معاہدات اور قانون کا احترام لازم ہے۔''

آئین اور قانون جتنا چاہے بہتر سے بہتر بنالیا جائے۔ اگر اس پر سختی کیساتھ عملدرآمد نہ کیا جائے تو عملی دنیا میں اسکا ذرہ برابر بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس لئے کامیاب حکمران اور افسر وہی ہے جو قانون کے نفاذ کو یقینی بنائے۔ سب سے پہلے سرورِ دوعالمؐ نے اس تصور کو اجاگر کیا اور دنیا کے سامنے عملی نمونہ پیش فرمایا۔

ہوا یوں کہ آپؐ کی خدمت میں چوری کا پہلا مقدمہ پیش ہوا جس میں عرب کے معزز اور بااثر خاندان کی فاطمہ نامی عورت نے چوری کا ارتکاب کیا۔ معافی کیلئے آپؐ کے حضور اس کی سفارش پیش کی گئی جسکے والد کو آپؐ نے منہ بولا بیٹا قرار دیا تھا۔ جناب اسامہؓ نے نبی اکرمؐ کی شفقت اور تعلق کو سامنے رکھتے ہوئے اس عورت کو معاف کرنے کی سفارش کی تو سنتے ہی آپؐ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور لوگوں کو اکٹھا کر کے آپؐ نے خطاب فرماتے ہوئے کہا :

''لوگو تم سے پہلے کئی ملتیں اس لئے تباہ ہو گئیں کہ ان میں قانون پر عملدرآمد کرنے میں بے انصافی پائی جاتی تھی۔ بااثر کو چھوڑ دیا جاتا اور دوسرے پر قانون کا شکنجہ

کس دیا جاتا۔ سنئے اگر میری لخت جگر فاطمہؓ سے یہ غلطی ہو جاتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے سے بھی دریغ نہ کرتا۔"

لَو اَنَّ فَاطِمَةَ بِنتَ مُحَمَّدٍسَرَقَت لَقَطَعتُ يَدَهَا۔(بخاری)

حضرت عمر فاروقؓ نے قانون کی عمل داری کو اس قدر یقینی بنایا کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابۂ کرامؓ بھی ان کی گرفت سے نہ بچ سکے۔ یہ سب کچھ اس لئے ممکن ہوا کہ انہوں نے اپنے بیگانے اور چھوٹے بڑے کی تفریق حائل نہیں ہونے دی۔ یہاں تک کہ ان کے بیٹے سے مصر میں ایک غلطی سرزد ہوئی اس پر بھی قانون کا اطلاق کیا گیا۔ اسی کا اثر تھا کہ مملکت کے کارپرداز حضرات قانون کے بلاامتیاز اور فوری نفاذ میں ہی دنیا اور آخرت کی خیر سمجھتے تھے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو یمن کے دو صوبوں میں نبی اکرمؐ نے ہی تعینات فرمایا تھا۔ ایک دفعہ معاذ بن جبلؓ، ابو موسیٰؓ کو ملنے گئے دیکھا کہ ایک مجرم کو گورنر اشعریؓ کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ لوگ حد نافذ کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ جناب ابو موسیٰؓ، حضرت معاذؓ کو دیکھ کر استقبال کے لئے آگے بڑھے۔ اس صورتِ حال میں حضرت معاذؓ نے سواری سے اترنے سے پہلے گورنر اشعریؓ سے کہا : میں اس وقت تک نہیں اتروں گا جب تک آپ مجرم پر حد نافذ نہیں کر دیتے۔ چنانچہ فی الفور قانون حرکت میں آیا۔ (تاریخ ابن کثیرؒ)

یہ قانون کی حکمرانی کا نتیجہ تھا کہ کوفے جیسی سرزمین جہاں بڑے بڑے سپہ سالار امن وامان قائم کرنے میں بے بس دکھائی دیتے ہیں جب ملک میں قانون کی حکمرانی کی فضا پیدا ہوئی تو جو چوکیدار پہرہ دیتے ہوئے کہ اعلان کر رہا تھا کہ لوگو جاگتے رہنا نئے آنے والے گورنر نے یہ الفاظ سنے تو چوکیدار کو حکم دیا کہ اب کوفے کی گلی

کوچوں میں یہ اعلان کر کے اپنے گھر پلٹ جاؤ اگر کسی کے ہاں ڈاکہ یا چوری ہو تو وہ چور تلاش کرنے کی بجائے گورنر ہاؤس پہنچ جائے گورنر زیاد کے الفاظ یہ تھے

اِرجِعُوا اِلَی مَضَاجِعَکُم اَنَا حَارِسٌ عَلَیکُم۔(ابن کثیر)

مسلمان حکمران قانون کا اس قدر احترام اور لحاظ رکھتے تھے کہ دولت عثمانیہ کے حکمران سلیمان اعظم نے تمام حکام اور سلطنت کے اعلیٰ عہدے داروں کو بڑی سختی کے ساتھ یہ احکام اور فرامین جاری کر رکھے تھے کہ رعایا میں کسی قسم کا جبر و تشدد، امیر اور غریب میں امتیاز اور انتظامی معاملات میں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان کسی قسم کا فرق گوارا نہیں کیا جائیگا۔ اس نے اپنے اڑتالیس سالہ دورِ حکومت میں اس پر اس قدر سختی کیساتھ عمل کیا کہ تاریخ کے اوراق میں اسے قانونی خلیفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

☆☆☆

☆ ایک دوسرے کی خیر خواہی اور انسانیت کی خدمت کو شعار بنائیے

☆ قانون کا احترام اور باہم طے شدہ امور کا اکرام کیجئے

☆ حکمران کا فرض ہے کہ لوگوں کے مال، جان، عزت و آبرو کی حفاظت کرے۔

☆ قانون کے نفاذ میں طبقاتی امتیاز قوموں کی تباہی کا سبب ہوا کرتا ہے۔

☆ قانون کا فوری نفاذ عدل و انصاف کا تقاضا ہے۔

خوشی اور شادمانی کے پیامبر

اللہ کا دین انسان کو دنیا و آخرت کی خوشحالی اور مسرت و شادمانی سے سرفراز کرنے کیلئے آیا ہے۔نزول آدمؑ کے وقت سے یہ فرمان ہے کہ اگر میری ہدایات و فرامین کے مطابق زندگی بسر کرو گے تو تمہیں کسی قسم کا خوف و خطر نہ ہو گا عارضی پریشانیوں اور مشکلات کو چھوڑ کر دائمی خوشی تمھارا مقدر بن جائیگی۔ دین لوگوں کے مسائل حل کرنے اور پریشانیاں دور کرنے کا نام ہے۔اس لئے مسلمانوں کو دعا کی صورت میں یہ فکر عطا کی گئی :

رَبَّنَاۤاٰتِنَا فِي الدُّنيَا حَسَنَةً وَّ فِي الاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ O(البقرہ ۲۰۱)

”اے اللہ ہماری دنیا اور آخرت کو بہتر بناتے ہوئے آگ کے عذاب سے محفوظ فرمانا۔“

نبی اکرم ﷺ کے منصب کے حوالے سے قرآنِ حکیم میں متعدد بار یہ ارشاد ہوا :

اِنَّاۤ اَرسَلنٰكَ شَاهِدًاوَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا O(الاحزاب ۴۵)

”آپؐ کو گواہ اور بشیر و نذیر بنا کے بھیجا گیا ہے۔“

اس لئے نبی علیہ السلام نے دین کی اشاعت کے لئے جہاں بھی اپنے نمائندوں کو بھیجا انہیں دوسری ہدایات کے ساتھ یہ فرمان بھی جاری کیا کہ لوگوں میں نفرت کی جگہ محبت اور مایوسیوں کی بجائے خوشی اور کامیابیوں کا پیغام دیا جائے۔

بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا۔(بخاری)

”نفرتیں پھیلانے کی بجائے لوگوں کو (شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے) خوش رکھنے کی مقدور بھر کوشش کیجئے، سختیوں کی بجائے آسانیاں پیدا کرو۔“

کوہِ صفا اور مکہ معظمہ کے ابتدائی خطابات ،ہجرت اور غزوہ خندق حتیٰ کہ آخر

تک آپؐ لوگوں کو دینِ حنیف کا تعارف کرواتے ہوئے مسلسل فرماتے چلے گئے کہ لوگو! اگر اس نظامِ حیات کو عملاً قبول کرلو گے تو میں تمہیں عرب و عجم کے سیاسی اقتدار اور دنیا و آخرت کی کامیابی کی ضمانت دیتا ہوں۔

اَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا تَمْلِکُوْابِھَا الْعَرَبَ وَالْعَجَمَ۔

"اے لوگو! لاالٰہ الااللہ پڑھ لو، عرب و عجم کے مالک بن جاؤ گے۔"

ایک دفعہ عدی بن حاتم سے گفتگو کرتے ہوئے اس سے استفسار کیا کہ عدی! شاید آپ اس لئے مسلمان نہیں ہو رہے کہ ہم غریب اور کنگال ہیں۔ پھر آپؐ نے یہ بھی سوال کیا کہ ہو سکتا ہے آپ اس لئے مسلمان نہیں ہو رہے کہ ہم روئے زمین پر کہیں بھی برسرِ اقتدار نہیں ہیں۔ تو جناب عدی نے جواب دیا: اللہ کے نبیؐ! آپؐ نے صحیح اندازہ فرمایا ہے۔ تب آپؐ نے بڑے اعتماد اور وقار کیساتھ فرمایا: عدی! عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ فرمانروائے روم جو چین شان و شوکت اور حسن و زیبائی کیلئے اپنی کلائیوں میں پہنتا ہے، وہ چین (Chain) تیری کلائیوں میں سجائے جائینگے۔ نظامِ حیات میں اجتماعی کامیابیوں کی نوید سنانے کے ساتھ آپؐ نے فرد کی خوشی کا اہتمام بھی کیا۔ ذاتی اخلاق کے حوالے سے آپؐ نے پہاڑ جیسی مشکلات، سمندری طوفانوں کی طرح آنے والے صدمات اور آندھی کی طرح آنے والی ذاتی اور جماعتی پریشانیوں کے باوجود اس طرح زندگی گزارنے کا سبق دیا کہ دیکھنے والا آپؐ کے چہرے اور انداز سے آپؐ کی دلی کیفیت سے آگاہ نہیں ہو سکتا تھا۔ آپؐ اکثر مسکراتے اور لہلہاتے چہرے کیساتھ لوگوں سے ملتے بڑی سے بڑی مشکل اور پریشانی میں اپنے ساتھیوں کو حوصلہ اور خوش رکھنے کی کوشش فرماتے۔

حضرت جابرؓ نوجوانی میں یتیمی کے صدمے سے دوچار ہوئے اور انکے والد

حضرت عبداللہؓ غزوۂ احد میں افراتفری کے عالم میں مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اسلام کے غداروں نے پراپیگنڈہ کیا کہ جابرؓ کا والد شہید نہیں ہوا بلکہ جانور کی موت مر گیا ہے۔ جابرؓ کی چھ چھوٹی چھوٹی بہنیں، بیوہ ماں اور سر پر قرضے کی تلوار لٹک رہی تھی۔ باپ کی شہادت اور منافقوں کی یاوہ گوئی نے انکو پریشانیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیا تھا۔ ہر وقت کملائے اور مرجھائے ہوئے چہرے کے ساتھ رہنا انکا معمول بن گیا۔ نبی اکرمؐ نے انکی افسردگی کو دیکھ کر اپنے پاس بٹھایا، تسلی دی اور ڈھارس بندھاتے ہوئے فرمایا: برخوردار! تمہیں صبر اور حوصلہ کرنا چاہیے۔ نبی اکرمؐ کے یہ الفاظ سن کر ان کے صبر کا پیالہ چھلک پڑا وہ سسکیاں لے کر زاروقطار رونے لگے۔ اسی حالت میں آپؐ نے انکو یہ خوشی کا پیغام دیا:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۝ (البقرہ ۱۵۴)

"جو اللہ کے راستے میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو۔ بلکہ وہ تو حیاتِ جاوداں سے سرفراز ہو چکے ہیں مگر تم (اس زندگی کی حقیقت کو) نہیں سمجھ سکتے۔"

پھر آپؐ نے انکے قرضے کی ادائیگی کا انتظام کرنے کے بارے میں فرمایا۔ نبی محترمؐ اس جوان کو اس الفت و محبت کیساتھ تسلی دے رہے تھے۔ آپؐ اپنے دستِ مبارک کو جابرؓ کے کندھے اور سر پر پھیرتے۔ حضرت جابرؓ اس واقعہ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ میں آج بھی اللہ کے پیغمبرؐ کے ہاتھ کی ٹھنڈک اور سکون محسوس کرتا ہوں۔

فکرمند لوگوں کی غمی دور کرنے کے لئے کبھی ہلکہ پھلکا مذاق بھی فرماتے تاکہ انکی طبیعت پر غم کا بندھن ڈھیلا ہو جائے۔

آپؐ کی خوش طبعی کا انداز

ایک ضرورت مند اور غمزدہ اماں آپکی خدمت میں حاضر ہو کر یہ عرض کر رہی تھیں کہ مجھ سے چلا نہیں جاتا۔ کہیں آنا جانا ہوتا ہے۔ میرے لئے سواری کا انتظام کیا جائے۔ تو آپؐ نے انکی افسردگی کا بوجھ کم کرنے کیلئے فرمایا: اماں! ہم آپ کو اونٹنی کا بچہ دیتے ہیں۔ تو وہ بوڑھی کہنے لگی: ھاھا! میں اسے کیا کروں گی۔ اس انداز سے جب اسکی طبیعت کچھ ہلکی ہو گئی تو فرمایا کہ میری ماں ہر اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہی ہوا کرتا ہے۔

اس طرح آپؐ صحابہؓ کی خوشیوں میں صرف شریک ہی نہیں ہوا کرتے تھے بلکہ انکی خوشی کو دوبالا کرنے کیلئے ان جیسا انداز اپنا کر ان کے مسرت وانبساط میں اضافہ فرماتے۔

ساتھیوں کی خوشی میں شرکت

حضرت ابو عبیدہؓ نے بحرین سے مالِ غنیمت کا کثیر حصہ مدینہ طیبہ روانہ کیا۔ جس رات بیت المال کا قافلہ پہنچا، اس صبح مسجد نبویؐ کی حالت دیدنی تھی۔ لوگ اپنے محلے کی مسجدیں چھوڑ کر اسقدر ذوق وشوق سے مسجد نبویؐ میں آئے کہ مسجد تنگی داماں کی شکایت کر رہی تھی۔ آپؐ نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ تو انصار کے ایسے لوگوں کو بھی مسجد میں دیکھا جو عام حالات میں اپنے محلے کی مسجد میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ آج آپ اس لئے ہماری مسجد میں آئے ہیں کہ آپؐ نے سن لیا ہو گا کہ ابو عبیدہؓ کا مال رات کو پہنچ چکا ہے۔ تو انصار بے ساختہ ہنس پڑے آپؐ نے بھی ان کے ساتھ شامل ہوتے ہوئے تبسم فرمایا۔ (فتوح البلدان)

اہلیہ کے ساتھ خوش مزاجی

ایسے ہی آپؐ اپنے گھر والوں کے ساتھ ہر حال میں خوش و خرم رہنے کی کوشش فرماتے تھے۔ آپؐ گھر میں تشریف لائے تو آپکی زوجہ مکرمہ حضرت عائشہؓ

اپنے سر کو پکڑے ہوئے شدتِ درد کی وجہ سے ہائے سر پکار رہی تھیں۔جب انکی تکلیف میں مزید اضافہ ہوا تو انکی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔آپؐ نے انکو بہلانے اور غم ہلکا کرنے کیلئے فرمایا: عائشہ !آپ پسند نہیں کرتیں کہ آپکا انتقال ہو اور میں بذاتِ خود تمہیں غسل دوں، تمہارا جنازہ پڑھاؤں اور اسطرح اپنے ہاتھوں سے تجھے قبر میں دفن کروں۔ بس اتنا کہنا تھا کہ حضرت عائشہؓ کی توجہ بیماری سے ہٹ گئی اور کچھ سنبھلتے ہوئے کہنے لگیں: ہاں ہاں آپؐ تو چاہتے ہیں کہ میں مر جاؤں اور میرے خالی گھر میں نئی نویلی ایک اور دلہن لے آئیں۔ (بخاری، ابن ماجہ کتاب المرض)

اس طرح آپؐ نے ان کے غم کو چند لمحوں میں ہلکا فرمادیا۔لیکن کسے معلوم تھا۔ چند ہی دنوں بعد آپؐ خود بیمار ہوئے اور وہ بیماری آپ کے انتقال کا سبب بن گئی۔اس طرح انسانیت کو خوشیوں اور شادمانیوں سے سرفراز کرنے والے ہمیشہ کیلئے اللہ کے حضور پہنچ گئے۔

آپؐ کی بے تکلفی

زاہر بن حزامؓ مدینہ طیبہ سے باہر ایک بستی میں مقیم تھے۔وہ کبھی کبھار نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور دیہات سے کوئی سوغات اور سبزی وغیرہ لاکر پیش کرتے۔جب وہ اپنی مصروفیت سے فارغ ہوکر آپؐ سے الوداعی ملاقات کرتے ہوئے اپنے گھر جانے لگتے تو اللہ کے نبی ﷺ اس سے بڑھ کر اسے مدینے کے تحائف سے نوازتے۔ایک دفعہ آپؐ اس سے خوش طبعی سے فرمایا کہ زاہر! تو ہمارا دیہات ہم تمہارے شہر ہیں۔آپؐ اس کے ساتھ بڑی الفت کا اظہار فرماتے۔

ایک دفعہ وہ مدینہ کی منڈی میں کوئی مال بیچ رہے تھے۔کہ آپؐ نے پیچھے سے اچانک انکی آنکھوں پر اپنا دست مبارک رکھتے ہوئے اس طرح اسکو پکڑا کہ وہ

مڑ کر نہ دیکھ سکتے تھے۔اس نے پورا زور لگایا مگر آپؐ کا ہاتھ نہ ہٹا سکے۔ مجبور ہو کر کہنے لگے کہ آپ کون ہیں۔ میری جان چھوڑ یئے۔ تو آپؐ نے اپنا ہاتھ تھوڑا سا ڈھیلا کیا انہوں نے ترچھی آنکھ سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو رحمت عالمؐ میرے ساتھ محبت کا اظہار کر رہے ہیں۔ پھر اس کی یہ حالت تھی کہ اپنی کمر کہ نبی پاکؐ کے سینے سے جوڑے جا رہے تھے۔ آپؐ نے چھوڑتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا کہ کون اس غلام کو خریدے گا۔ زاہرؓ نے عرض کیا کہ اس نکمے اور کھوٹے مال کو کون خریدنے کے لئے تیار ہوگا۔ تب آپؐ نے فرمایا کہ زاہر! تم اللہ کے نزدیک کھوٹے نہیں بہت قیمتی ہو۔ (شمائل ترمذیؒ)

آپؐ کی اپنے حجام سے خوش طبعی

دس ہجری کو آپؐ صفا اور مروہ کی سعی سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے اپنے حجام کو طلب فرمایا جو اس وقت آپکے ساتھ حج کر رہا تھا۔ وہ بھاگتے ہوئے بڑی خوشی سے آپؐ کی خدمت میں پہنچا تو آپؐ نے بال منڈوانے کے لئے اپنا سر مبارک آگے کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کے رسول نے اپنا سر آپ کے حوالے کر دیا ہے جبکہ تمہارے ہاتھ میں استرا بھی ہے۔ کہیں----؟ تو اس نے ہنستے ہوئے عرض کیا کہ اللہ کے نبیؐ میں تو اس احسان کا بدلہ نہیں چکا سکتا کہ اللہ نے مجھ جیسے ناچیز آدمی کو آپؐ کے مبارک بال تراشنے کی سعادت حاصل کرنے کا موقع نصیب فرمایا۔ (مسند امام احمد)

عجب صحابیؓ

آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر حسن و جمال دبدبہ و رعب عطا فرمایا تھا کہ بڑے سے بڑے آدمی کی آنکھیں بھی آپکے سامنے جھک جاتیں۔ صحابہؓ کی حالت یہ تھی جب آپکی توجہ دوسری طرف یا نگاہیں جھکی ہوتیں تو صحابہؓ سیر چشم ہو کر دیدار

کا شرف حاصل کرتے۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا تو بڑی دور کی بات آپکے چہرہ پر انوار کو دیکھنے کی ہمت نہ رکھتے تھے۔ سوائے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے۔ انکے ساتھ آپکے تعلق و صحبت کا عالم یہ تھا۔ کہ دونوں بزرگ روبرو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کوئی بات عرض کرتے۔

احادیث و سیرت کی کتابوں میں صرف ایک صحابی* کے بارے میں چند ایک واقعات موجود ہیں کہ وہ ایسی کھلی طبیعت کے مالک تھے کہ عام لوگ تو درکنار اسے جونہی موقع ملتا تو وہ ادب واحترام کے دائرے میں رہتے ہوئے سرورِ دوعالمؐ کے ساتھ بھی خوش طبعی کر لیا کرتے تھے۔ وہ کبھی کبھار یوں بھی کرتے، بازار میں آنے والی کوئی نئی چیز لا کر آپکی خدمت میں یہ کہہ کر پیش کرتے کہ اللہ کے رسولؐ یہ تحفہ قبول کیجئے۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد اس دکاندار کو ساتھ لئے ہوئے عرض کرتے یا نبی اللہ! وہ جو میں نے فلاں چیز آپکی خدمت میں پیش کی تھی۔ میرے پاس پیسے نہیں۔ ازراہ کرم اس کی قیمت اس دکاندار کو ادا فرما دیجئے۔ تب آپؐ مسکراتے ہوئے فرماتے: یہ عجب تحفہ تھا جس کی قیمت بھی ادا کرنا پڑ رہی ہے۔ (فتح الباری)

☆☆☆

☆ شریعت کی حدود میں رہ کر ایک دوسرے کو خوش رکھنا سنت نبویؐ ہے۔

---

*زندگی میں یہی ایک خوش قسمت ہے جس کے ساتھ اس طرح محبت کا انداز اختیار فرمایا۔

آپؐ کے دل نازک پر وارد ہونے والے صدمات

اللہ تعالیٰ نے پیغمبروںؑ کو ہر اعتبار سے اُسوہ اور نمونہ بنانا ہوتا ہے اس لئے ان پر ہر قسم کے حالات وواقعات وارد کرتا ہے۔ تاکہ وہ ہر زاویے سے لوگوں کے لئے عملی نمونہ بن کر سامنے آئیں۔ کوئی یہ نہ کہے کہ ہم توانسان ہیں اگر نبی پر یہ واقعات وارد ہوتے تو پھر دیکھتے کیا ہوتا؟ انسانی زندگی میں عسر یسر، غمی خوشی اور حالات کی ناہمواری کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔

تِلْكَ الْاَ يَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ o (آل عمران ۱٤٠)

''ہم لوگوں کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔''

اللہ کے پیغمبرؑ اس سے مستثنی نہیں ہوتے۔ بلکہ آپؐ کا ارشاد ہے کہ سب سے زیادہ مصائب وآلام انبیاءؑ کو پیش آیا کرتے ہیں۔ اسکے بعد درجہ بدرجہ نیک لوگوں کو واسطہ پڑتا ہے اور پھر آپؐ نے اس بات کا بھی اظہار فرمایا کہ سب سے زیادہ مصائب اور مشکلات کا مجھے سامنا کرنا پڑا۔ (مشکوٰۃ)

یہ مصائب و صدمات ذاتی، اجتماعی اور عزیزواقرباء کے حوالے سے آپؐ کو درپیش آئے۔ قرآن حکیم نے لوگوں کی پریشانیوں اور تکالیف کے حوالے سے آپؐ کی ذات اطہر پر ہونے والے اثرات کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا:

لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ o (توبہ ۱۲۷)

''دیکھئے تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے، جو تم ہی سے ہے، تمہاری تکلیف اس پر بڑی شاق گزرتی ہے۔ وہ تمہاری کامیابیوں کا چاہنے والا ہے، ایمان والوں کیلئے نہایت شفیق ورحیم ہے۔''

بڑے حوصلہ مند حلیم الطبع اور بردباری کا انتہائی مقام حاصل ہونے کے باوجود زندگی میں کئی مرتبہ صبر کا پیمانہ لبریز ہوااور دل کے جذبات آنسوؤں کی صورت موتی بن کر چہرے پر ڈھلک پڑے۔ لیکن انتہائی اندوہ اور غم کے عالم میں بھی آپؐ کی زبان پاک سے ناشکری، ناقدری اور خدا کی نافرمانی کا شائبہ تک محسوس نہیں کیا گیا۔ کئی بار آپؐ کی یہ حالت ہوتی کہ صدمہ اور غم انتہا کو پہنچ گیا۔ کلیجہ زخمی اور جگر پاش پاش ہوا جارہا ہے مگر اظہارِ غم کیلئے آپؐ نے وہی الفاظ استعمال فرمائے جس پر اللہ تعالیٰ راضی رہیں۔ زندگی میں پیش آنے والے صدمات کی تھوڑی سی تصویر دیکھئے۔

والدہ کی قبر پر سسکیاں بند گئیں

نبی اکرم ﷺ ابھی دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے کہ آپؐ کے والد مکرم اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ ابھی آپؐ چار برس کے تھے تو آپؐ کے مشفق اور مہربان دادا جناب عبدالمطلب اس دنیا فانی سے رحلت کر گئے۔ جب آپؐ کی عمر مبارک چھ سال کی ہوئی تو آپؐ کی والدہ ماجدہ کا دل چاہا کہ آپؐ کو یثرب (مدینہ) آپؐ کے ننہال لے جائے۔ اور ساتھ ہی آپؐ کو آپؐ کے والد گرامی کی قبر کی زیارت کروائی جائے۔ حضرت آمنہؓ اپنے مرحوم سرتاج جناب عبداللہ کی نشانی حضرت محمدؐ کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ چلی گئیں۔ ایک مہینہ کے قیام کے بعد جب آپ مکہ مکرمہ واپس آرہی تھیں۔ تو مدینہ سے تھوڑی دور باہر ابوابستی کے نزدیک اچانک بیمار ہوئیں اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ ام ایمن جو نبیؐ کی رضاعی والدہ اور آپؐ کے والدِ گرامی کی کنیز تھیں۔ وہ آپؐ کی والدہ کی وفات پر آپؐ کے چہرے سے آنسو پونچھتیں، سر پر پیار دیتیں، ماتھا چومتی اور آپؐ کو گود میں بٹھا کر پیار کرتی تھیں۔ اس طرح چھوٹی سی عمر میں آپؐ کے دلِ نازک پر مسلسل یتیمی کے گہرے زخم لگ رہے تھے۔ پھر وہ وقت آیا جب اللہ نے آپؐ کو دنیا و جہاں کی سرداریاں اور سربلندیوں

سے سرفراز کیا۔ دنیا وآخرت کی ہر نعمت آپؐ کو میسر آئی لیکن والدہ کی یاد آپؐ کے سینۂ مبارک میں ہمیشہ تازہ وزندہ رہی۔ نامعلوم آپؐ نے اللہ سے کتنی بار والدہ ماجدہ کی قبر پر جانے کی اجازت مانگی ہوگی۔ بالآخر ایک دن آپؐ چند صحابہؓ کے ساتھ مٹی کے ایک چھوٹے سے ڈھیر پر جاکر کھڑے ہوئے۔ لمحہ بہ لمحہ آپؐ کی طبیعت غم سے بھری جارہی تھی۔ جسم اطہر پر کپکپی طاری ہوئی، رونگٹے کھڑے ہوگئے اور آپؐ کی آنکھیں آنسوؤں سے تربہ تر ہوا جارہیں تھیں۔ جب غم زیادہ بڑھا تو آپؐ سر جھکا کر زمین پر بیٹھ گئے اور اس قدر روئے کہ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس سے پہلے ہم نے آپؐ کو اسطرح سسکیاں بھرتے اور روتے ہوئے نہیں دیکھا۔ جب آپؐ وہاں سے واپس پلٹے طبیعت کچھ سنبھل گئی تو آپؐ کے ساتھیوں نے پوچھا۔ اے اللہ کے پاک نبیؐ! یہ کس کی قبر تھی جس پر آپؐ اسقدر روتے رہے۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا یہ میری والدہ کی قبر تھی۔ میں نے اللہ سے دعا کی اجازت طلب کی لیکن مجھے صرف زیارت کی اجازت عنایت فرمائی گئی۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ زَارَ النَّبِیُّ ﷺ قَبْرَ اُمِّهٖ فَبَکٰی وَاَبْکٰی مَنْ حَوْلَهٗ فَقَالَ اِسْتَأْذَنْتُ رَبِّیْ فِیْ اَنْ اَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ یُؤْذَنْ لِیْ وَاسْتَأْذَنْتُ فِیْ اَنْ اَزُوْرَ قَبْرَهَا فَأُذِنَ لِیْ فَزُوْرُوْا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَکِّرُ الْمَوْتَ۔ (مشکوٰۃ)

''حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں۔ نبی اکرمؐ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر اتنا روئے کہ آپؐ کے ساتھی بھی رونا شروع ہوگئے۔ پھر فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی والدہ کیلئے دعا کی اجازت طلب کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے صرف قبر کی زیارت کی اجازت دی ہے۔ تم بھی قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ موت یاد دلادیتی ہیں۔''

بیٹے ابراہیمؓ اور نواسے علیؓ کی یاد میں

انسانی رشتے کے اعتبار سے نبی اکرم ﷺ باپ، نانا اور بھی کئی رشتے داریوں

کے حوالے سے انسانی برادری سے منسلک تھے۔ہر رشتے کے محبت والفت کے جو جذبات ہوا کرتے ہیں لوگوں سے کہیں بڑھ کر آپؐ کا سینۂ مبارک ان احساسات سے لبریز تھا۔ حلم و بردباری کا پیکر ہونے کے باوجود دوسرے کا غم دیکھ کر آپؐ تڑپ جایا کرتے تھے۔ لیکن اس وقت غم والم کی خبر لانے والا آپؐ کی بیٹی کے حوالے سے ایسی خبر پیش کر رہا تھا جو کلیجہ ہلا دینے والی تھی کہ اللہ کے نبیؐ! آپ کی بڑی بیٹی حضرت زینبؓ کا اکلوتا بیٹا علیؓ موت وحیات کی کشمکش میں ہے۔اسلئے حضرت زینبؓ چاہتی ہیں کہ آپؐ اس انتہائی پریشانی کے موقع پر ان کے ہاں تشریف لائیں۔ لیکن نبی علیہ السلام کسی دینی اور ملّی کام میں انتہائی مصروف تھے آپؐ کو جانے میں دیر لگی تو پھر پیغام آیا کہ ابّا جان سے کہئے کہ وہ ہر صورت تشریف لائیں۔ حضرت سعد بن عبادہؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ اٹھ کر آپؐ کے ساتھ چلے۔جونہی آپؐ اپنی بیٹی کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ آپؐ کا نواسا علیؓ دیکھتے ہی دیکھتے اللہ کو پیارا ہو گیا۔بے ساختہ آپؐ کا چہرہ مبارک آنسوؤں سے تربہ تر ہو گیا اور آپؐ اپنی بیٹی زینبؓ کو صبر اور حوصلہ کرنے کی تلقین فرما رہے تھے۔

جبکہ اس سے پہلے یہ حادثۂ فاجعہ پیش آیا کہ آپؐ کا لختِ جگر ابراہیمؓ بیمار ہوا آپؐ اسے گود میں اٹھا کر بار بار چومتے تھے۔اسی حالت میں پیارا ابراہیمؓ آپؐ کے ہاتھوں سے رخصت ہوا۔بیٹے کی تکلیف اور جدائی کے غم میں آپؐ کے آنسو ٹپک پڑے اور آپؐ نے اپنے صدمہ و غم کا اظہار ان دردناک الفاظ میں فرمایا:

اِنَّالَمَحْزُوْنُوْنَ بِفَرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ وَلٰكِنْ لَا نَقُوْلُ اِلَّا مَايَرْضٰى رَبُّنَاo (مشکوٰۃ)

"میری جان تیرے جانے کا بڑا صدمہ ہے۔دل غم سے بھر چکا ہے۔طبیعت غم

سے نڈھال ہے مگر ہم غم کا اظہار اسی طرح کریں گے۔ جس میں اللہ کی رضا شامل رہے۔"

وفادار اور اطاعت شعار زوجہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی یاد میں

آپؐ اپنے کمرے میں تشریف فرما ہیں۔ صحن میں ایک معزز خاتون کی آواز سنائی دی تو آپؐ فوراً یہ کہتے ہوئے باہر نکلے کہ یہ توھالہ کی آواز ہے۔ آواز سنتے ہی حضرت خدیجہؓ کی پچیس سالہ رفاقت کا ایک ایک لمحہ اور واقعہ ذہن پر اتر آیا۔ جس سے آپؐ کا چہرہ مبارک غمزدہ ہوا جارہا تھا۔ یہ معزز خاتون ابو العاص (آپؐ کے داماد) کی والدہ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی بہن ہیں۔ موت کے بعد تشریف لائیں۔ آپؐ ہالہ کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کی رفاقت کے واقعات کا بڑے دردناک انداز میں ذکر کرتے رہے۔ جب حضرت ہالہؓ چلی گئیں تو حضرت عائشہؓ آپؐ کی اس حالت کو دیکھ کر عرض کرتی ہیں کہ اللہ کے نبیؐ! زمانہ گزر گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی اچھی اچھی بیویاں عنایت فرمائی ہیں۔ لیکن آپؐ اب بھی خدیجہؓ کی یاد میں غمگین ہوئے جارہے ہیں۔ تب آپؐ فرماتے ہیں: عائشہ تجھے کیا خبر کہ وہ میری کیسی رفیقہ تھیں۔ سنو! جب لوگ میری تردید کرتے تھے تو وہ تصدیق کیا کرتی تھیں، میں باہر سے نہایت پریشان آتا وہ مجھے تسلی اور حوصلہ دیتی تھیں، اس نے اپنا مال غریب مسلمانوں پر نچھاور کر دیا اور خود فاقوں کی حالت میں اس دنیا سے چل بسیں۔

اسی طرح غزوۂ بدر کے قیدیوں میں آپؐ کا داماد بھی تھا جو بادلِ نخواستہ جنگ میں شریک ہوا۔ 70 قیدیوں کے ساتھ جب مدینہ لایا گیا تو دوسروں کی طرح انہوں نے فدیہ کے طور پر جو مال پیش کیا، اس میں آپؐ کی بیٹی زینبؓ کا وہ ہار بھی تھا جو رخصتی کے وقت اسکی عظیم والدہ حضرت خدیجہؓ نے اپنی بیٹی کو دیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس ہار کو دیکھا تو حضرت خدیجہؓ کی یاد میں بے اختیار رو پڑے اور اسکے بعد صحابہؓ سے

فرمایا کہ اگر آپ اجازت دیں تو یہ ہار واپس کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ اس خاتون کی نشانی ہے جس نے اللہ کے دین اور مسلمانوں کی خدمت میں بڑی قربانیاں پیش کی ہیں۔ صحابہؓ، حضرت خدیجہؓ کی بے مثال قربانیوں کو جانتے تھے۔اس لئے انہوں نے بیک زبان عرض کیا کہ اللہ کے نبیؐ یہ ضرور واپس فرما دیجئے۔

ساتھیوں کی موت پر آپؐ کا رونا

آپؐ اپنے ساتھیوں کی چھوٹی چھوٹی تکلیف پر دل گرفتہ اور پریشان ہو جایا کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآن حکیم نے آپؐ کے دل کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلمانوں کی ہر تکلیف نبیؐ کی ذات پر گراں گزرتی ہے۔ پھر موت جیسا واقعہ جو کہ ہمیشہ کی جدائی کا صدمہ تھا وہ کیونکر آپؐ کے نرم و نازک دل پر اثر انداز نہ ہوا کرتے۔جب بھی کسی کی موت کی خبر آتی آپؐ سراپا غم بن جاتے۔ مرحوم کے رشتہ داروں سے دل کی گہرائیوں کیساتھ شریک غم ہوتے ہوئے صبر اور حوصلہ دیا کرتے۔ کچھ صحابہؓ کی موت نے تو آپؐ کو بہت رلایا تھا۔ جن میں سعد بن معاذؓ، مصعب بن عمیرؓ، ابو سلمہؓ، حضرت حمزہؓ، جعفر طیارؓ شامل ہیں۔

حضرت جعفرؓ جنگِ موتہ میں شہید ہوئے۔ بذریعہ وحی خبر آئی تو مجلس میں تشریف فرما تھے کہ زار و قطار آنسو جاری ہو گئے۔ صحابہؓ نے پوچھا تو فرمایا کہ جعفرؓ شہید ہو گئے ہیں۔

حضرت حمزہؓ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ انکے جسد پاک کا مثلہ کیا گیا نبیؐ کے چچا کو اس جرم کی پاداش میں کہ بدر میں انہوں نے تیس سے زیادہ کفار کو جہنم رسید کیا تھا۔ ان کے جسد خاکی کی اس طرح بے حرمتی کی گئی کہ انکے سینے کو چیر کر کلیجہ نکالا گیا، لاش کو روندا گیا، حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔آپؐ انکے جسد پاک کو دیکھ کر اس قدر روئے تھے کہ اس سے پہلے کسی شہید پر اس قدر آپؐ کو روتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

ابو سلمہؓ نے ہجرت کے وقت جو تکالیف اٹھائی تھیں اسکی تفصیل دیکھنے کے لیے

میری کتاب سیرت ابراہیمؑ کا مطالعہ فرمائیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر یہ کہتے ہوئے اللہ کو پیارے ہوئے ؛

اَللّٰھُمَّ اخْلِفْنِیْ فِیْ اَھْلِیْ خَیْرًا۔

"اے اللہ! میرے بچوں کی دستگیری فرمانا۔"

دفناتے وقت آپؐ کے مبارک آنسو انکے چہرے پر اتر گئے۔ یہی حالت حضرت مصعب بن عمیرؓ کے دفناتے ہوئے دیکھی گئی۔ یہ وہ مصعب بن عمیرؓ ہیں جنہوں نے آپؐ کی ہجرت سے پہلے آپؐ کے حکم پر آکر مدینہ میں انقلاب برپا کر دیا تھا۔ ان کی خدمات کا نتیجہ تھا کہ مدینہ میں آپ کا ایسا شاندار استقبال ہوا کہ پردہ نشین عورتیں بھی مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر آپؐ کا انتظار کر رہی تھیں۔

سعد بن معاذؓ مدینے کے وہ سردار تھے کہ جنہوں نے جنگِ احد سے پہلے کہا تھا کہ اے اللہ کے رسولؐ ہماری طرف سے مطمئن ہو جائیں۔ آپؐ ہمیں سمندر میں چھلانگ لگانے کا حکم دیں تو ہم ایک لمحہ سے پہلے کود جائیں۔ پھر انہوں نے شہادت کے وقت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام اور اپنی قوم کو یہ پیغام دیا تھا۔ دیکھنا آپ کے جیتے جی نبی کو نقصان نہ پہنچے۔ اگر آپؐ کو کوئی نقصان ہوا تو قیامت کے دن کیا منہ دکھاؤ گے۔ آپؐ ان کی شہادت پر نہایت افسردہ خاطر رہے۔

☆☆☆

☆ مسلمان عزیز و اقربا اور ماں باپ کی قبر کی زیارت اور دعائے مغفرت کر سکتے ہیں

☆ صدمات زندگی کا حصہ ہیں حوصلے کے ساتھ برداشت کیجئے

☆ مصیبت کے وقت صبر اور اللہ سے دنیا اور آخرت میں مدد کی امید رکھنا

آپ کا سفرِ واپسیں

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُم مَيِّتُونَo (الزمر ۳۰)

"موت آپ کو بھی آئے گی اور یہ بھی مرنے والے ہیں۔"

وَمَاجَعَلنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبلِكَ الخُلدِاَفَاِن مِّتَّ فَهُمُ الخٰلِدُونَo (الانبیاء۳٤)

"ہم نے کسی بشر کو ہمیشہ رہنے کیلئے پیدا نہیں کیا۔ آپ فوت ہونگے تو کیا یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں ؟"

كُلُّ مَن عَلَيهَا فَانٍ وَيَبقٰى وَجهُ رَبِّكَ ذُوالجَلَالِ وَالاِكرَامِo (الرحمن)

"ہر چیز فناہ ہونیوالی ہے تیرے رب کی جلیل و کریم ذات ہی باقی رہے گی۔"

كُلُّ نَفسٍ ذَائِقَةُ المَوتِ وَاِنَّمَا تُوَفُّونَ اُجُورَكُم يَومَ القِيٰمَةِ فَمَن زُحزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدخِلَ الجَنَّةَ فَقَد فَازَ وَمَاالحَيٰوةُ الدُّنيَا اِلَّامَتَاعُ الغُرُورِo (آل عمران ۱۸۵)

" آخر کار ہر شخص کو مرنا ہے اور قیامت کے روز تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ چکایا جائے گا۔ کامیاب حقیقتاً وہ ہے جو جہنم کی آگ سے بچ کر جنت میں داخل کر دیا گیا یہ دنیا تو صرف پر فریب چیز ہے۔"

انسان ہمیشہ رہنے کیلئے نہیں جانے کیلئے آیا۔ کوچ اس کا مقدر ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ فنا کے گھاٹ اترنے والا ہے۔ مگر جن وانس کے بارے میں ارشاد ہے کہ تمہاری اس فنا میں ہمیشہ کی بقا مضمر ہے۔ اچھی یا بری بقا کا فیصلہ تمہارے اعمال کی بنیاد پر کیا جائے گا لہٰذا تمہیں اس دن کی جواب دہی کیلئے سمجھ سوچ کر یہ قدم اٹھانا ہو گا۔ انسان کو ذمہ دار اور اس کے فکر و عمل میں سنوار پیدا کرنے کیلئے فکرِ آخرت کا نظریہ بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اس کے بغیر کوئی آدمی اللہ تعالیٰ پر کتنا ہی پختہ یقین کیوں نہ رکھتا ہو

قانون کا شکنجہ جتنا چاہے کس دیا جائے آدمیت ذمہ داری کے دائرے میں کبھی پابند نہیں رہ سکتی۔ اس عقیدے کے بغیر نیکوکاروں کو نیکی کی لذت اور اسکے بہتر انجام کی امید نہیں ہو سکتی ۔ کیونکہ دنیائے رنگ وبو کے اندر اچھائی کے قدردان بہت ہی کم ہوا کرتے ہیں۔

وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُo (سباء ۱۳)

"میرا شکریہ ادا کرنے والے بہت تھوڑے لوگ ہیں۔"

اسلئے روز اول سے آسمانی نظریئے میں اس عقیدے کو کلیدی حیثیت حاصل رہی ہے۔ جب تک اس اساسی نظریئے کو آدمی اپنے سفر کی منزل نہیں ٹھہراتا اس وقت تک اصلاحِ انسان کا کام مشکل ہی نہیں ناممکنات میں شمار کیا جانا چاہئے۔ ایک بااختیار انسان کو اس کی جفاکاریوں سے روکنے کا فقط یہی طریقہ ہے کہ اس کے ضمیر پر یہ بات حاوی ہو کہ یہاں تیرا ہاتھ پکڑنے والا شاید کوئی نہ ہو مگر مرنے کے بعد ایک ایک حرکت کا جواب دینا ہو گا۔ وہاں تیرا کوئی پرسان حال نہ ہو گا پھر موت ایک ایسی ٹھوس اور اٹل حقیقت ہے۔ ہر سچائی کا منکر بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا اس گھاٹ پر اترے بغیر کسی ذی روح کو چارۂ کار نہیں ہو گا۔ حتی کہ کائنات کے وہ عظیم انسان جن کی ذات انسانیت کا خلاصہ اور شرف تھی۔ انکے لئے بھی موت کی وادی میں داخل ہوئے بغیر کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔ اس لئے فکرِ آخرت کے حوالے سے آپؐ نے لوگوں کے اعمال و افکار میں پاکیزگی پیدا کر نیکی کوشش فرمائی۔

آپؐ کا سفرِ آخرت

آپؐ کا اپنا سفر واپسیں اس قدر دردانگیز اور غم ناک ہے کہ ہلکی سی سنجیدگی رکھنے والا شخص بھی آپؐ کی موت کے منظر کو پیش نظر رکھے تو اسے اپنے آپ کو صحیح

راستے پر گامزن رکھنا انتہائی آسان ہو جائے گا۔ انتقال سے تیرہ دن قبل آپؐ ایک جنازہ پڑھانے کے بعد گھر کی چوکھٹ میں اس حال میں داخل ہوتے ہیں کہ آپؐ کے وجودِ اطہر میں حرارت اور سر مبارک میں ہلکا سا درد شروع ہو چکا ہے۔ بخار میں اضافہ اور شدتِ درد کی بناء پر سر مبارک پر پٹی باندھے ہوئے ہیں۔ وفات سے پانچ دن پہلے تک سخت تکلیف کے باوجود آپؐ کے ذاتی اور ملی معمولات میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔

وفات سے پانچ دن قبل

آج آپؐ کی حیات مبارکہ تریسٹھ سال ہو چکی ہے۔ مبارک اور پاکیزہ حیات کے صرف پانچ دن باقی ہیں۔ طبیعت میں انتہائی ضعف اور کمزوری واقع ہو چکی ہے لیکن اس حالت میں بھی امت کا غم اس قدر دامن گیر ہے کہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اپنے منبر پر جلوہ افروز ہو کر انتہائی رقت امیز لہجے میں اللہ کی حمد و تعریف کے بعد خطاب کا آغاز فرمایا۔

"ساتھیو! میں نے ہر کسی کے احسان کا بدلہ چکا دیا ہے صرف ایک شخص ایسا ہے کہ کوشش کے باوجود اس کے احسانات کا بدلہ نہیں چکا سکا۔"

آپؐ کی گفتگو کا رخ حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف تھا اور پھر واضح الفاظ میں فرمایا کہ مسجد کے صحن میں پڑنے والے دروازے بند کر دیئے جائیں صرف حضرت ابو بکر صدیقؓ کا دروازہ باقی رہے گا۔ جب آپؐ کی زبانِ اطہر سے یہ الفاظ ادا ہو رہے تھے کہ اللہ نے ایک بندے کو یہ اختیار عطا فرما دیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو دنیا میں مزید دن گزار لے نہیں تو میری ملاقات کیلئے حاضر ہو جائے تو یہ الفاظ سنتے ہی حضرت ابو بکرؓ زار و قطار رونا شروع کر دیتے ہیں لوگوں نے آپؓ کے رونے پہ تعجب کا اظہار کیا۔ لیکن چار ہی دن بعد نبی اکرمؐ کی موت نے حضرت صدیق اکبرؓ کی بصیرت اور تعلقِ خاطر پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ پھر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے

انصار کے بارے میں وصیت فرمائی۔ کہ یہ میرے جگر گوشے ہیں جو شخص بھی امت کے اجتماعی امور کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے اس کا فرض ہوگا کہ ان کے حقوق کا خیال رکھے۔ پھر دوسرے امور کے ساتھ ہر حال میں قرآن وسنت کو لازم پکڑنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ یہود ونصاریٰ پر اللہ کی پھٹکار ہو کہ انھوں نے انبیائے کرامؑ کی قبروں کو مسجد کا مقام دیتے ہوئے سجدہ گاہ بنالیا۔ آخر میں فرمایا لوگو! مجھ سے کسی نے کوئی قرض یا بدلہ لینا ہو تو میں حاضر ہوں۔ ایک شخص اٹھا اس نے تین درہم قرض کی نشاندہی کی تو آپؐ نے فضل بن عباسؓ کو ادائیگی کا حکم دیا۔ دوسرے نے اٹھتے ہوئے عرض کیا آقا! فلاں موقع پر آپؐ کے ہاتھ سے مجھے چھڑی لگ گئی تھی اور میں ننگے بدن تھا آپؐ نے جسمِ اطہر سے قمیص اٹھاتے ہوئے بدلے کی پیش کش کی۔ صحابہ کرامؓ تعجب اور حیرانگی سے اس شخص کی جرأت اور بے باکی، آپؐ کے عدل وانصاف اور تواضع کو دیکھ کر جذبات کے تلاطم میں گم ہوئے جارہے تھے۔ وہ شخص آگے بڑھا اور فرطِ محبت میں وجودِ اطہر کو چومتے ہوئے آپؐ کے ساتھ لپٹے ہوئے عرض کرتا ہے آج زندگی بھر کی تمنا پوری ہوئی۔

وفات سے چار دن قبل

صحابہ کرامؓ کو یہ احکامات جاری فرمائے۔

۱۔ یہود ونصاریٰ اور مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے۔

۲۔ مدینہ آنیوالے وفود کا پورا پورا احترام کیا جائے۔

۳۔ لشکر اسامہ کو ہر صورت روانہ کرنا ہوگا۔

۴۔ نماز اور غلاموں کے حقوق کا خیال رکھنا۔

۵۔ کتاب وسنت کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہنا۔ (بخاری)

وفات سے دو دن قبل

حضرت فضل بن عباسؓ اور حضرت علیؓ کے سہارے نماز ظہر میں شرکت فرمائی اور حضرت ابو بکرؓ امامت کروا رہے تھے۔ان کے پہلو میں تشریف فرما ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی تو آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ ٹھہرے رہئیے۔آپؐ انکے پہلو میں بیٹھ کر جماعت کروا رہے تھے اور حضرت ابو بکرؓ بلند آواز میں اقتدا کر رہے تھے۔(بخاری)

وفات سے ایک دن پہلے

اتوار کے دن غلام آزاد کرتے ہوئے جو چند دینار گھر آئیں تھے وہ صدقہ کئے اور اپنا اسلحہ بیت المال میں جمع کروادیا۔

یوم واپسیں

آج سوموار کی صبح نماز فجر کی امامت صدیق اکبرؓ کروا رہے ہیں۔آپؐ نے اچانک اپنے حجرے کا پردہ ہٹایا اور صحابہ اکرامؓ کو نماز پڑھتے دیکھ کر تبسم فرمایا۔ سامنے ہونے کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کی نگاہیں خود بخود آپؐ کے چہرۂ انور پر جم گئیں قریب تھا کہ ذوق زیارت کی وجہ سے صحابہؓ کی نماز ٹوٹ جاتی یہ حالت دیکھ کر آپؐ نے ہاتھ کا اشارہ کیا کہ نماز جاری رکھی جائے۔ سورج نکلنے کے بعد حضرت فاطمہؓ کو بُلا کر سینے سے لگایا اور فرمایا کہ جدائی کا وقت آن پہنچا ہے۔ یہ سنتے ہی آپکی لخت جگر کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں۔وہ سسکیاں بھرتے ہوئے زاروقطار رو رہی تھیں۔ دوبارہ بلا کر تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ زیادہ غم نہ کیجئے۔آپ سب سے پہلے میرے ساتھ ملنے والی ہیں۔دوسرے لفظوں میں حضرت فاطمہؓ کو ان کی بہت جلد ہونے والی موت کی خبر دی جارہی ہے۔ مگر بیٹی کا اپنے والد گرامی کے ساتھ اتنا پیار اور محبت ہے کہ حضرت فاطمہؓ کا جلد ہونے والی ملاقات پر غم ہلکا ہوا اور چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ پھر حسنؓ

اور حسینؓ کو چوما اور ان کا خیال رکھنے کے بارے میں نصیحت فرمائی۔ اس کے بعد اہل خانہ کو تسلی اور وصیتیں فرماتے رہے۔ آخر میں موجود صحابہؓ کو تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَت اَیمَانُکُم۔

"نماز اور اپنے ماتحتوں کا خیال رکھنا۔"

گویا کہ اللہ کے حقوق میں سر فہرست نماز اور بندوں کے معاملات میں زیر دست لوگوں کے حقوق کی نگہداشت کا حکم دیا۔ بخار کی شدت اور سر درد کے عالم میں فرمایا کہ خیبر کے موقع پر جو زہر آلود لقمہ میں نے لیا تھا اسکی وجہ سے میری شہ رگ کٹ جارہی ہے۔ بخار کی شدت کو کم کرنے کیلئے آپؐ بار بار پانی سے تر ہاتھ اپنے چہرۂ مبارک پر ملتے ہوئے فرمارہے تھے:

اِنَّ لِلمَوتِ سَکَرَاتٌ۔

"موت کے لمحات بہت سخت ہیں۔"

اسی حالت میں حضرت عائشہؓ کے بھائی عبدالرحمٰنؓ کے ہاتھ میں تازہ مسواک دیکھی تو پلکوں سے اشارہ فرمایا۔ حضرت عائشہؓ نے مسواک چبا کر آپؐ کی خدمت میں پیش کی۔ مسواک کے بعد شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور قرآن پاک کی آیت تلاوت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا: اے اللہ مجھے معاف کر اور مجھ پر رحم فرما!"

پھر کلمہ طیبہ اور یہ کلمات ادا کئے۔

مَعَ الَّذِینَ اَنعَمَ اللّٰہُ مِنَ النَّبِیِّینَ وَالصِّدِّیقِینَ وَالشُّھَدَآءِ والصّٰلِحِینَ وَحَسُنَ اُولٰئِکَ رَفِیقًاo (النسآء ٦٩)

"اے اللہ! اپنے انعام یافتہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی بہترین رفاقت نصیب فرما۔"

اَللّٰھُمَّ اغفِرلِی وَارحَمنِی ۔ (بخاری)

اس کے ساتھ ہی نگاہیں چھت کی طرف لگ گئیں۔آپکی عمر مبارک تریسٹھ سال چاردن اور چند لمحات تھی۔ سوموار کو طلوع آفتاب کے تقریباً دو گھنٹے بعد ہمیشہ کیلئے اللہ کے حضور پہنچ گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیہِ رَاجِعُونَo

☆☆☆

☆ موت انسانیت کا مقدر۔

☆ آپ کی موت سے اپنی موت کا تصور کیجئے۔

☆ موت سے پہلے اپنے معاملات درست اور وصیت لکھ دیجئے۔

☆ اللہ تعالیٰ سے بہتر موت کی دعا کیجئے۔

اَللّٰھُمَّ اَنتَ وَلِیَّ فِی الدُّنیَاوَالآخِرَۃِ تَوَفَّنِی مُسلِماً وَاَلحِقنِی بِالصَّالِحِینَ۔(یوسف ۱۰۱)

اے اللہ آپ ہی دنیاوآخرت میں مالک ہیں مجھے فرمانبرداری کی موت اور نیک لوگوں کا ساتھ نصیب فرما۔

مصنف کا مختصر تعارف

میاں محمد جمیل صاحب 1947ء کو گوہڑ چک 8 ضلع قصور، ارائیں فیملی میاں محمد ابراہیم کے گھر پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں پنجاب میں علمی دینی اور تبلیغی لحاظ سے بڑے بڑے علماء اور قومی رہنماؤں کا مرکز رہا ہے۔

تعلیم و تربیت

سکول کی ابتدائی تعلیم کے بعد میاں صاحب نے اپنے گاؤں میں قرآن پاک حفظ کیا پھر جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں شیخ الحدیث مولانا ابوالبرکاتؒ اور مولانا محمد اعظم صاحب سے تعلیم وتربیتؒ حاصل کرنے کے ساتھ ایم ۔اے اسلامیات، فاضل اردو اور وفاق کی ڈگریاں حاصل کیں اور اب لاہور میں کاروبار کے ساتھ اعزازی طور پر جامع مسجد ابوہریرہؓ کی خطابت اور فری ابوہریرہؓ اکیڈمی کی نظامت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ کاروباری مصروفیات کے باوجود امریکہ، ہندوستان، سعودی عرب، عراق، مصر، سپانیہ اور افغانستان کے تبلیغی دورے کر چکے ہیں۔

مرکزی جمیعت اہلحدیث پاکستان

مرکزی جمیعت اہلحدیث قیام پاکستان سے لے کر آج تک بلا مبالغہ 80 فیصد اہلحدیث حضرات کی نمائندہ جماعت ہے۔ میاں صاحب 1977ء میں مرکزی جمیعت اہلحدیث کی ورکنگ اور جنرل باڈی کے رکن منتخب ہوئے 1987 میں مرکزی سیکرٹری اطلاعات اور مارچ 1996ء سے مرکزی جمیعت اہلحدیث کی اس منصب پر خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔

☆☆☆☆

تعارف ابو ہریرہؓ اکیڈمی

دانشواران قوم اور دینی طلبہ کا مدت سے مطالبہ تھا کہ درس نظامی کے نصاب میں تبدیلی اور ایسے ادارے معرض وجود میں لائے جائیں جن میں گریجویٹ، جید علماء تیار کئے جائیں جو عصر حاضر کے چیلنجز کا مقابلہ کرتے ہوئے ہر شعبۂ زندگی میں قرآن وسنت کا انقلاب برپا کر سکیں ہم نے مقامی وسائل سے 1997ء میں ابو ہریرہؓ اکیڈمی کی صورت میں کامیاب تعلیمی منصوبہ کہ ابتدا کی ہے۔ ملک کا باشعور طبقہ اور علماء اکرام جانتے ہیں کہ شاید ہی کسی مسلک کا ایسا ادارہ ہو جہاں درس نظامی کے ساتھ باقاعدہ ایف اے، بی اے، ایم اے کروایا جاتا ہو۔ اس لحاظ سے ابو ہریرہؓ اکیڈمی ہی واحد ادارہ ہے جہاں علوم اسلامیہ اور کالج کی تعلیم یکساں طور پر دی جارہی ہے۔

خصوصیات

☆علوم اسلامیہ معہ بی اے، ایم اے صرف چار سال میں ☆ مختصر آسان اور جدید سلیبس
☆ معیاری قیام طعام ☆اساتذہ کی مسلسل نگرانی میں سبق یاد کروانے کی گارنٹی۔

شرائط داخلہ

☆ میٹرک ترجیح فرسٹ ڈویژن، ایف اے ☆درس نظامی اور کالج کی کتب بذمہ طالبعلم ☆ صاحب ثروت حضرات کو میس کے اخراجات خود برداشت کرنا ہوں گئے جب کہ مالی اعتبار سے کمزور طلبہ پر کسی قسم کا بوجھ نہیں ڈالا جاتا
☆داخلہ میٹرک کے امتحان کے بعد ☆ میٹرک میں فیل ہونے والے طالبعلم کو فارغ کر دیا جائے گا۔

مطبوعات

از قلم: میاں محمد جمیل ایم اے

آپ ﷺ کا حج:

نہایت مختصر مگر جامع، حج کے ہر رکن کا فلسفہ وحکمت کا بیان۔

آپ ﷺ کی نماز:

نماز کے روحانی اور معاشرتی فوائد۔ قیام وسجود کی عملی تصاویر۔

سیرت ابراھیم علیہ السلام:

ابوالانبیاء کی عظیم جدوجہد اور ابدالآباد تک رہنے والے اثرات وثمرات۔

آپ ﷺ کا تھذیب وتمدن:

آپ ﷺ کے کلچر کے انقلاب آفرین نتائج اور مسلمانوں کے تہذیب وتمدن کے انمٹ نقوش۔

فضیلت قربانی اور اس کے مسائل:

جذبہ قربانی.....قوموں کی زندگی کا محرک اور بقا کا ضامن۔

نظمِ جماعت کے آداب:

جماعت بندی، کارکن اور قیادت کی خصوصیات کے ساتھ باہمی تعلقات ومشاورت اور امت کو متحد رکھنے کا آخری نقطہ۔

مشکلات کیوں؟ نجات کے الھامی راستے:

مشکلات کے اسباب، نجات کیلئے اللہ تعالیٰ اور سرور دو عالم کے منتخب کردہ اقدامات تلافی مافات اور روشن مستقبل کے نزول کے ایمان افروز اور عزم وہمت کو

297.9921 م 28 ماپ
71828-U-67

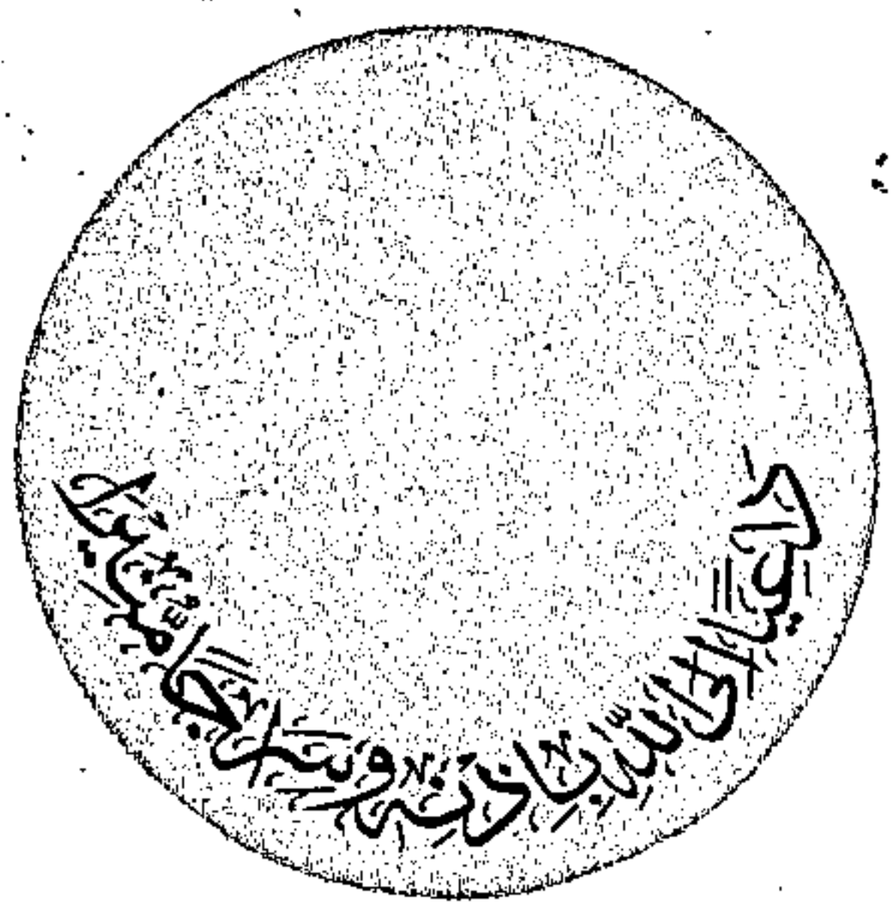

وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تہذیب و تمدن

میاں محمد جمیل ایم۔اے

فاضل اردو، علوم اسلامیہ

ناظم ابوہریرۃ اکیڈمی لاہور پاکستان

297.9921
م 28 ماپ
71828

ابوہریرۃ اکیڈمی

۳۷۔کریم بلاک، اقبال ٹاؤن۔ لاہور